جدید مسائل میں

فتاویٰ نویسی کا منہج

مفتی امانت علی قاسمی
استاذ دار العلوم وقف دیوبند



مرکز الفکر الاسلامی دیوبند

جدید مسائل میں

فتاویٰ نویسی کا منہج

مفتی امانت علی قاسمی
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

مرکز الفکر الاسلامی دیوبند

تفصیلات

نام کتاب : جدید مسائل میں فتاوی نویسی کے منہج

تالیف : مفتی امانت علی قاسمی

پہلا ایڈیشن : 2025

قیمت : Rs. 100/-

Jadeed Masail Me Fatawa Nawaisi Ke Manhaj

Author : Mufti Amanat Ali Qasmi

Mobl : +91 7207326738

email : aaliqasmi1985@gmial.com

* **

ملنے کے پتہ

مرکز الفکر الاسلامی، دیوبند

مکتبہ النور، دیوبند

کتب خانہ نعیمہ، دیوبند

فہرست مضامین

***

کلماتِ تحسین

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب
نائب مہتمم وڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد المرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

فقہ اسلامی کی اساس قرآن وسنت اور فقہائے امت کی مستنبط تعلیمات پر ہے، عہد حاضر میں پیدا ہونے والے نت نئے مسائل اور واقعات نے یہ ناگزیر کر دیا ہے کہ فتاوی نویسی میں قدیم اصول ومناہج کی روشنی میں جدید مسائل کے حل پر غور کیا جائے اور جہاں تک جدید وسائل سے استفادہ کی گنجائش ہو، اسے بھی بروئے کار لایا جائے، تاکہ شریعت مطہرہ کی رہنمائی ہر دور میں اسی تازگی، وسعت اور جامعیت کے ساتھ سامنے آسکے جس کی ضمانت خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دین کے لیے عطا فرمائی ہے۔

اسی تناظر میں برادرم مولانا مفتی امانت علی صاحب (استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند) نے ”جدید مسائل میں فتاوی نویسی کے منہج“ پر نہایت وقیع اور محققانہ رسالہ قلم بند کیا ہے، غالباً اس موضوع پر انہوں نے ابتدا میں ایک محاضرہ پیش کیا تھا، بعد ازاں اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ان افادات کو یکجا کر کے رسالہ کی صورت

میں محفوظ کر دیا ہے، موضوع کی اہمیت اور عصر حاضر کی ضرورت کے تناظر میں یہ کاوش بجا طور پر لائقِ تحسین و مبارکباد ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ نہ صرف اہلِ علم کے لیے رہنما ثابت ہوگا؛ بلکہ طلبہ اور افتاء کے شعبے سے وابستہ افراد کو بھی مسائل کے استخراج اور فتاوی نویسی کے اصول و آداب سے روشناس کرانے میں مفید و ممد ہوگا۔

میں جناب مفتی امانت علی صاحب کو اس گراں قدر خدمت پر بصمیمِ قلب مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے، اس رسالے کو قبولیت بخشے اور اسے علمی دنیا میں نفعِ عام کا ذریعہ بنائے۔ آمین

***

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد احسان قاسمی

استاذ حدیث دار العلوم وقف دیوبند

جامعۃ العلوم دیوبند دینی وعصری تعلیم کا اہم امتزاج اور شعبہ افتا وقضاء کے تعلق سے ایک اہم ادارہ ہے، یہاں شعبہ افتا کے طلبہ کو پیش آمدہ اہم مسائل سے واقف کرانے کے لیے گاہے بگاہے محاضرات کا انعقاد کرایا جاتا ہے جس کے لیے اہم علماء کرام اور دانشواران قوم کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

جامعۃ العلوم دیوبند میں جن شخصیات سے خصوصی طور پر علمی تعاون حاصل رہا ہے ان میں بہت ہی نمایاں واساسی نام قابل قدر شخصیت محترم جناب مولانا مفتی امانت علی قاسمی زیدت محاسنہ کا ہے۔ موصوف کو اللہ تعالی نے متعدد ومتنوع صلاحیتوں سے نوازا ہے، موصوف تجربہ کار بھی ہیں اور فعال، فقہ اسلامی کے متبحر بھی، درس و تدریس کے شہسوار بھی ہیں اور تحقیق، نکتہ سنجی ومضمون آفرینی میں موصوف کو مہارت حاصل ہے۔ تحقیق وتالیف کا عمدہ اور پاکیزہ ذوق رکھتے ہیں، متعدد تحقیقی کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

متعدد مواقع پر جامعہ کے علمی تعاون میں موصوف نے ہمیشہ وسعت ظرفی سے کام لیا ہے اور مختلف عناوین پر جامعہ میں محاضرات پیش کر چکے ہیں۔ سال

رواں کے سلسلے محاضرات کی اولین کڑی کے طور پر آپ کا محاضرہ اہمیت کا حامل رہا، جس کا عنوان تھا ''جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج'' اس محاضرے میں مولانا موصوف نے عنوان کا بھر پور احاطہ کیا اور خوشی ہو رہی ہے کہ اب یہ محاضرہ کتابی شکل میں منظر عام پر آنے کو ہے، امید ہے کہ مختلف پہلوؤں سے طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہوا یہ محاضرہ جس طرح جامعۃ العلوم دیوبند کے طلبہ کے لیے مفید رہا ہے، اسی طرح فقہ اسلامی کے تمام طلبہ اور اس میدان کے اساتذہ کے لیے بھی مشعل راہ ثابت ہوگا۔

دل کی گہرائیوں سے میں مولانا موصوف کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی محترم جناب مولانا مفتی امانت علی قاسمی (استاذ و مفتی دار العلوم وقف دیوبند) کو صحت وعافیت کے ساتھ دین متین کی بالخصوص فقہ اسلامی کی خدمات کے دائمی مواقع عطا فرمائیں، زور خطابت و کتابت میں اور اضافہ ہو اور علمی دنیا موصوف کی ضوفشانی سے فیض یاب ہوتی رہے۔ آمین

***

تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد نوشاد نوری قاسمی

استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

موجودہ دور کے ہوش ربا انقلابات اور ہر لمحہ تغیر پذیر دنیا نے فقہ وفتاوی سے وابستہ شخصیات کے لیے بھی کئی چیلنجز پیدا کر دیے ہیں، عصر حاضر میں نئے مسائل کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ جتنے نئے مسائل آج کل دس سالوں میں سامنے آتے ہیں، اتنے مسائل پہلے ایک صدی میں بھی نہیں پیدا ہوتے تھے، دوسری طرف علمی زوال اور یکسوئی کا فقدان ہے، تیسری طرف فتوی کے لیے مطلوبہ احتیاط اور عملی تربیت کی بے حد کمی ہے، چوتھی طرف علماء اسلام کی علوم عصریہ سے ناواقفیت ہے، جس کی وجہ سے فہم مسائل میں کافی دشواری پیدا ہوتی ہے۔

اس صورت حال میں فتوی نویسی کا صحیح منہج کیا ہو؟ یہ ایک اہم اور ضروری سوال بن جاتا ہے، جس کے جواب کا اہل عام رسمی قسم کا فاضل بھی نہیں ہوسکتا ہے، یہ ایسے شخص کا ہی کام ہے، جسے نے فقہ وفتاوی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہو، قدیم مآخذ پر بھی گہری نظر رکھتا ہو اور دور حاضر کے انقلابات نیز معاصر فقہی ادارے اور مجامع کے مناہج اور طریقہ کار سے بھی واقف ہو۔

مجھے خوشی ہے کہ یہ رسالہ جناب مولانا مفتی امانت علی قاسمی صاحب (استاذ ومفتی

دار العلوم وقف دیوبند) کے قلم سے ہے، جس میں انہوں نے فتوی نویسی کے صحیح منہج کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ ان کا ایک محاضرہ ہے، جو انہوں نے برجستہ ایک ادارے میں پیش کیا تھا، ایک طالب علم نے اسے محفوظ کر کے، سپرد قرطاس کرلیا اور معمولی حذف واضافے کے بعد ایک رسالے کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، اہم موضوعات پر تفصیلی کتاب سے پہلے مختصر رسالے کا مطالعہ کرلینا، موضوع کو سمجھنے میں بہت معاون ہوتا ہے، یہ مختصر رسالے مدخل کا کام کرتے ہیں، اور علم وفن کے اہم گوشوں کی وضاحت کیساتھ، ان کی فنی اہمیت اور درجہ بندی بھی کر جاتے ہیں۔

اس رسالے کو بھی اسی نقطہ نظر سے دیکھنا چاہیے، اصولی طور پر یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ موجودہ وقت میں، علماء احناف پختہ قسم کے مقلد ہوتے ہیں؛ لیکن دور حاضر کے مسائل کو اپنی تحقیقات اور جزوی اجتہاد سے، جس قدر فقہائے احناف نے حل کیے ہیں، دوسرے مذاہب فقہیہ کے ماہرین اس کے قریب بھی نہیں ہیں، اس لیے یہ کہنا درست ہے کہ دور حاضر میں فقہائے احناف سے زیادہ اجتہاد کسی کے پاس نہیں ملتا، یہ دراصل فقہائے احناف کی علمی گہرائی، وسعت نظری، فقہ حنفی کی لچک داری اور فقہاء احناف کے زمانے سے واقفیت کی بین دلیل ہے، اس رسالے میں بھی جناب مفتی صاحب نے اختصار کے ساتھ کئی اہم اشارے کردیے ہیں، جن کی مدد سے نوازل فقہیہ کے حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

میں اس رسالے کی ترتیب اور اس کی اشاعت پر جناب مفتی صاحب کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے مفید اور مقبول بنائے اور مفتی صاحب کو مزید علمی اور تحقیقی کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

***

حرف آغاز

''جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج''فقہ وفتاوی کے طالب کے علم کے لیے سنگلاخ وادی سے کم نہیں، اس میدان میں آبلہ پائی فن کے ماہرین کے لیے تو اگرچہ مشکل نہیں لیکن اس راستے کے نئے راہ رو کے لیے''بڑی مشکل ہے ڈگر پنگھٹ کی'' کے مترادف ہے، آج کل ہر دن نئے مسائل پیش آرہے ہیں، ان میں جدت اور تنوع کے ساتھ پیچیدگیاں بھی پائی جاتی ہیں، جو مفتی کے لیے فتوی لکھنے میں الجھن کا باعث بن جاتی ہیں، اس لیے یہ سوال بار بار کیا جاتا ہے کہ جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج اور طریقہ کار کیا ہونا چاہیے،؟ کس طرح ہم خاردار وادی میں قدم رکھ سکتے ہیں اور اپنے دامن کو بچا کر نکل سکتے ہیں۔ یہ کتاب اسی سوال کے جواب کی ایک ادنی سی کوشش ہے۔

کتاب کی تقریب یہ ہوئی کہ بندہ کا ایک محاضرہ اسی عنوان سے دارالعلوم وقف کے قدیم و مؤقر استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے ادارے'' جامعۃ العلوم دیوبند'' میں شعبہ افتا کے طلبہ کے درمیان ہوا جس میں دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبہ افتاو تخصص فی الافتا کے طلبہ بھی شریک تھے ،محاضرہ کو ایک طالب علم عزیزم مولوی محمد غلام مصطفی بھاگل پوری (متعلم دارالعلوم وقف دیوبند) نے کاغذ پر منتقل کر دیا اور مجھے نظر ثانی کے لیے دیا، نظر ثانی کے بعد وہ محاضرہ ایک رسالے میں شائع ہو گیا، لیکن محسوس ہوا کہ رسالے تک ہر کسی کی رسائی

نہیں ہوتی اگر اس میں مزید کچھ چیزیں شامل کر کے اس کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو اس کا افادہ دیرپا اور عام ہوگا، اسی جذبہ نے اس پر مزید کام کرنے پر مجبور کیا اور اب یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب کو بہتر بنانے، عبارتوں کو حوالوں سے مزین کرنے اور موضوع سے متعلق مواد کے احاطے کی کوشش کرنے کی بھر پور کوشش کی گئی ہے۔اس میں آپ کو خطابی اسلوب دکھائی دے گا؛ لیکن امید ہے کہ ان شاء اللہ پڑھنے میں بوجھل پن کا احساس نہیں ہوگا۔ نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے جن امور کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوں کہ یہ موضوع بڑا ہے اور اس میں تنوع بھی بہت زیادہ ہے، اس لیے اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں ہو سکا، لیکن مختصر وقت میں موضوع کو سمجھنے میں ان شاء اللہ یہ کتاب مفید ثابت ہوگی۔

اس کتاب پر کئی اصحاب علم وفضل نے پڑھ کر اپنی قیمتی آراء، تائیدی کلمات لکھے ہیں، میں ان تمام کا شکر گزار ہوں، خاص کر دار العلوم وقف دیوبند کے متحرک و فعال نائب مہتمم، خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب کے سلسلے میں تائیدی کلمات لکھے اور مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی، سچائی یہ ہے کہ آپ اس طرح کی علمی کاموں کے نہ صرف معاون ہیں، بلکہ محرک رہتے ہیں، علمی کاموں کے منظر عام پر آنے میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خوشی ومسرت کے اظہار کے ساتھ حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں، اسی طرح دار العلوم وقف کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی تحریک پر آج یہ کتاب منظر عام پر آرہی ہے، اسی طرح صدیق محترم حضرت مولانا مفتی محمد نوشاد نوری قاسمی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے پوری کتاب کا مطالعہ کیا، اصلاح طلب اور مفید مشورے دئے اور کتاب پر گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا، اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد عارف

قاسمی صاحب (استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند) کا شکریہ گزار ہوں کہ انہوں نے بھی پورے مسودے پر نظر ثانی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اور جنہوں نے کسی طرح کا علمی تعاون کیا ان تمام کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالی اس کاوش کو قبول فرمائے اور طالبان علوم نبوت کے لیے مفید اور اس حقیر کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

امانت علی قاسمی

خادم دارالعلوم وقف دیوبند

۲۸/۲/۱۴۴۷ھ۔ ۲۳/۸/۲۰۲۵ء

* **

فقہ کی فضیلت

''جدید مسائل میں فتوی نویسی کا منہج'' یہ انتہائی اہم ،ضروری اور حالات زمانہ سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ فقہ وفتاوی کے طالب علم کے لیے دلچسپی کا عنوان ہے۔اس عنوان کو اگر آپ الگ الگ کر کے دیکھیں تو اس کے کئی بنیادی کلمات نکل سکتے ہیں: جدید- مسائل- فتاوی- نویسی- منہج- یہ پانچ اس کے بنیادی کلمات (KEY WORDS) ہیں۔ان شاء اللہ آج کی گفتگو ان تمام امور پر ہوگی۔

پہلی بات یہ ہے کہ فقہ وفتاوی کا کام انتہائی قابل سعادت عمل ہے، جن لوگوں کو بھی یہ میسر ہے انہیں اس پہ فخر ہونا چاہیے، مختلف روایات میں فقہاء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین(۱)

اللہ تعالی جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اللہ تعالی اس کو دین کا فہم عطا فرماتے ہیں ،ان کو اللہ تعالی تفقہ کی دولت سے مالا مال فرماتے ہیں ۔ایک حدیث میں ہے:

فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ(۲)

ایک فقیہ ایک ہزار عابد پر بھاری ہوتا ہے، چوں کہ عابد کو شیطان مختلف حیلوں اور بہانوں سے بہکا سکتا ہے اور غلط راستے پر ڈال سکتا ہے؛ لیکن فقیہ کو شیطان غلط راستے پر نہیں ڈال سکتا ہے ۔شیطان جب لوگوں کے لیے خواہشات کے دروازے کھولتا ہے تو فقیہ اس کے فساد اور برائی کو بیان کر کے اس دروازے کو بند کر دیتا ہے۔

---

(۱) محمد بن اسماعیل صحیح البخاری، (دار طوق النجاۃ)،۱،۲۵ حدیث نمبر:۷۱۔

(۲) محمد بن زید ابن ماجہ: سنن ابن ماجہ، (دار الرسالۃ العالمیۃ)،۱؍۱۵۰، حدیث نمبر:۲۲۲۔

فقہ وفتاوی سے مربوط ہونے کی اہمیت

یہ سعادت کی بات ہے کہ اللہ تعالی نے ہم سب کو فقہ وفتاوی سے مربوط کررکھا ہے اور اس سے مناسبت پیدا ہو رہی ہے۔ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ محمد بن ابی رجاء نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا کہ میدان محشر قائم ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے معلوم کیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ میری بخشش ہوگئی تو پوچھا کہ کس بنیاد پر بخشش ہوئی تو امام محمدؒ نے فرمایا مجھ سے کہا گیا کہ اگر تمہاری مغفرت کرنی نہ ہوتی تو تمہیں یہ علم نہ دیتا۔ وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا کہ امام ابویوسف کا کیا ہوا تو امام محمد نے فرمایا کہ وہ مجھ ایک درجہ اوپر ہیں، انہوں نے پھر حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں معلوم کیا تو امام محمدؒ نے فرمایا وہ تو اعلی علیین میں ہیں۔(۱)

فتاوی نویسی ایک نازک ذمہ داری

دوسری بات یہ ہے کہ سعادت کے ساتھ ساتھ فتاوی نویسی بہت بڑی ذمہ داری ہے، بلکہ نازک ترین ذمہ داری ہے، مشکل ترین ذمہ داری ہے اس کو ہمیشہ محسوس کرنا چاہیے، اس کا ہمیشہ ادراک رکھنا چاہیے، یہ ایک منصب ہے جس میں مفتی اللہ تعالی کا نائب ہوکر اللہ کا حکم بندوں تک پہونچا رہا ہوتا ہے، یہ کوئی کھیل نہیں ہے، یا شخصی رائے دینے کا کام نہیں ہے کہ اپنی عزت بچانے کے لیے جو ذہن میں آئے جواب دے دیا جائے۔ حضرات سلف کے یہاں فتوی دینے میں احتیاط اور خوف پایا جاتا تھا۔ عقبہ بن مسلمؒ کہتے ہیں کہ میں چودہ سال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا وہ اکثر مسائل میں لا ادری کہتے، پھر میری طرف متوجہ ہوتے اور

(۱) ذہبی، ابوعبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان، مناقب الامام ابی حنیفہ، (حیدرآباد: لجنۃ احیاء المعارف النعمانیۃ)، ص:۵۲۔

فرماتے جانتے ہو یہ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ میری پیٹھ کو جہنم کے پل کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔(۱)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص ہر سوال کا جواب دیتا ہے وہ مجنون ہے۔(۲)

امام مالکؒ کے بارے میں ان کے معاصرین یہ کہتے ہیں کہ ہم نے امام مالکؒ سے بڑا کوئی عالم نہیں دیکھا، واقعہ بھی یہی ہے کہ مدینہ میں امام مالکؒ سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا، لیکن امام مالک رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ بعض مرتبہ ہمیں ایک مسئلے کو حل کرنے کے لیے رات بھر جاگنا پڑتا تھا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ بعض مرتبہ میرے سامنے ایسا مسئلہ آتا ہے جو مجھے کھانے، پینے اور سونے سے روک دیتا ہے، بلکہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ ایک مسئلے کو دس سال سے حل کر رہا ہوں اور آج بھی شرح صدر نہیں ہوا ہے۔(۳)

ایک مرتبہ امام مالک سے مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا لاادری اس پر سائل نے کہا کہ مسئلہ تو آسان ہے آپ کیوں اس کا جواب نہیں دے رہے ہیں؟ تو امام مالک سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مسئلہ آسان اور خفیف ہے؟ علم میں کوئی چیز ہلکی نہیں ہوتی کیا تم نے اللہ تعالی کا ارشاد نہیں سنا إِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا پس علم سب کا سب بوجھل ہے خاص کر جس کا قیامت میں سوال ہوگا۔(۴)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم فقیہ اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم کا یہ حال ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو زیادہ تر مسائل میں کہتے ہیں

(۱) یوسف بن عبد اللہ القرطبی، جامع بیان العلم وفضلہ (سعودی: دار ابن الجوزی) ۱۹۹۴ء، ۳۱۶۔

(۲) عبد اللہ بن عبد الرحمن الدارمی، سنن الدارمی، (سعودی: دار المغنی)، ۵۶/۱۔

(۳) محمد تقی عثمانی، اصول الافتا (دیوبند: دار العلم) ۲۸۔

(۴) ابو الفضل قاضی عیاض بن موسیٰ، ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک (المغرب، المطبعۃ للصحافۃ) ۱/۱۸۴۔

لا ادری مجھے نہیں معلوم، اسی لیے فقہا کرام باضابطہ یہ باب قائم کرتے ہیں کہ انسان کے اندر فتوی دینے کے تعلق سے ڈر ہونا چاہیے، خدا کا خوف ہونا چاہیے، اس لیے کہ مفتی درحقیقت سائل کو اللہ تعالی کے حکم سے واقف کراتا ہے، مفتی کے فتوی کا مطلب یہ ہے یہ شخص اللہ تعالی کی طرف سے نیابتاً اللہ کے حکم سے اللہ کے بندے کو واقف کرارہا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو شخص بغیر علم کے فتوی دیتا ہے وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ امام ابوداؤد نے ایک روایت نقل کی ہے کہ جس کو بغیر علم کے فتوی دیا گیا اور اس نے اس پر عمل کیا تو اس کا گناہ مفتی پر ہوگا۔(۱)

معلوم ہوا کہ فتوی ایک نازک ترین ذمہ داری ہے اس کا احساس اور اس کا ادراک ہمیشہ انسان کو ہونا چاہیے۔

فتاوی نویسی کا طریقہ

آپ فتوی دو طریقے سے دیتے ہیں، زبانی طور پر اور تحریری طور پر۔ زبانی طور پر آپ کے فتوی کا دائرہ محدود ہوتا ہے، ایک شخص سے آپ نے ایک بات کہی آپ جس انداز میں بھی کہہ دیں، مختصر جملے میں کہہ دیں، اپنی زبان میں آپ کہہ دیں، اشارے میں کہہ دیں، آپ فتوی دے دیتے ہیں، لیکن تحریری فتوی ایک ذمہ داری کا کام ہے، فتوی نویسی کے اندر نزاکت اور بڑھ جاتی ہے، آپ کی تحریر سند بن جاتی ہے، آپ کی وہ تحریر حجت ہو جاتی ہے، اگر آپ نے کوئی غلط مسئلہ لکھا ہے تو اس سے ایک آدمی غلطی پر نہیں چلے گا بلکہ جتنے لوگ اس کو پڑھیں گے اتنے لوگ غلطی پر جائیں گے اور ان سب کا گناہ آپ کو ہوگا، اس لیے فتاوی نویسی کے اندر بہت زیادہ بیدار مغزی کی ضرورت ہوتی ہے، تحریری طور پر فتوی لکھنا بڑی ذمہ داری ہوتی ہے، اسی

(۱) سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، (دار الرسالۃ العالمیۃ)، ۲۰۰۹، حدیث نمبر: ۳۶۵۷۔

لیے تحریری فتوی عموما بلا مطالعہ کے نہیں لکھنا چاہیے، آپ کو مسئلہ اچھی طرح سے یاد ہے آپ کو اطمینان ہے کہ اس کا یہی جواب ہے اس کے باوجود آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ مطالعہ کریں، مراجعت کریں، کتابوں میں دیکھ کر لکھیں، کبھی کبھی انسان کا حافظہ خطا کر جاتا ہے جب آپ مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کو احساس ہوتا ہے کہ میں کچھ اور سوچ رہا تھا اور جواب تو کچھ اور لکھا ہے۔ آپ لوگوں نے رسم المفتی پڑھی ہے اس میں علامہ شامی نے لکھا ہے بعض دفعہ ایک آدمی سے غلطی ہوتی ہے اور وہ غلطی کئی لوگوں تک چلتی رہتی ہے، اسی لیے ایک دو کتابیں نہیں؛ بلکہ کئی کتابوں کے مطالعے کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواب دینے میں جلد بازی کرنا کسی طرح درست نہیں ہے؛ بلکہ مکمل اطمینان اور شرح صدر کے بعد جواب لکھنا چاہیے، اگر کسی قسم کا شبہ، التباس، یا خلجان و اعتراض ہو تو توقف کرنا چاہیے، اسی طرح فتاوی نویسی میں زبان کی تسہیل، اسلوب اور طرزِ ادا کو بہتر بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسی تعبیر میں جواب لکھا جائے جس کو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، جواب کے ابتداء میں دلائل کا تذکرہ نہ کیا جائے؛ بلکہ جواب کے اخیر میں دلائل کو بیان کیا جائے اس لیے کہ دلائل سے آغاز عام مستفتی کے لیے تشویش اور مشکلات کا باعث ہوتا ہے، ہاں اگر مستفتی عالم ہو تو جواب کی ابتدا دلائل سے کیا جا سکتا ہے۔(۱)

فتاوی نویسی کے لیے بیدار مغزی کی شرط

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ بیدار مغزی کے ساتھ فتوی لکھا جائے، سائل کی مراد کو نہ صرف سمجھا جائے، بلکہ اس کے پس منظر کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جائے، عام طور پر عمل کرنے والے لوگ زبانی طور پر معلوم کر لیتے ہیں، کال یا میسیج سے پوچھ لیتے ہیں،

(۱) تقی عثمانی، اصول الافتاء، ۳۶۵۔

لیکن تحریری طور پر فتوی لینے والے اسی فیصد وہ لوگ ہوتے ہیں جو آپ کے فتوی سے فریق مخالف کو لاچار کرنا چاہتے ہیں، آپ کے فتوی سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سامنے والا غلطی پر ہے، ناحق پر ہے، شریعت کے خلاف ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ مفتی پر تیقظ اور بیداری لازم ہے کہ آپ کا فتوی غلط مقاصد کے لیے تو نہیں لیا جارہا ہے۔

وشرط بعضهم تيقظه) احترازا عمن غلب عليه الغفلة والسهو، قلت : وهذا شرط لازم في زماننا فإن العادة اليوم أن من صار بيده فتوى المفتي استطال على خصمه وقهره بمجرد قوله أفتاني المفتي، بأن الحق معي والخصم جاهل لا يدري ما في الفتوى، فلا بد أن يكون المفتي متيقظا يعلم حيل الناس ودسائسهم(۱)

اور بعض علماء نے مفتی کے لیے بیداری وہوشیاری کی شرط لگائی ہے تاکہ وہ لوگ اس سے نکل جائیں جن پر غفلت اور بھول چوک کا غلبہ رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ شرط ہمارے زمانے میں بالکل ضروری ہے، کیوں کہ آج کل کا معمول یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں مفتی کا فتویٰ آجاتا ہے وہ فوراً اپنے مخالف پر برتری جتاتا ہے اور صرف یہ کہہ کر اسے مغلوب کرلیتا ہے کہ 'مفتی نے میرے حق میں فتویٰ دیا ہے، حق میرے ساتھ ہے، فریق مخالف جاہل ہوتا ہے وہ نہیں جانتا کہ فتویٰ میں کیا ہے۔ لہٰذا لازم ہے کہ مفتی بیدار مغز اور ہوشیار ہو، لوگوں کی حیلوں اور سازشوں کو اچھی طرح جانتا ہو۔

خاص طور پر موجودہ حالات میں جب کہ ہر شخص مفتی کے فتوی سے اپنی ضرورت پوری کرنا چاہتا ہے، اپنا کاروبار فروغ دینا چاہتا ہے، اپنے فریق پر جری ہونا چاہتا ہے اور اپنے حق پر ہونے کو ثابت کرنا چاہتا ہے اس شرط کی اہمیت مزید بڑھ جاتی

(۱) محمد امین ابن عابدین، شامی، (دیوبند: مکتبہ زکریا) ردالمحتار، ۳۵۹/۵۔

ہے۔آج کل معاشیات کے اندر بہت ساری کمپنیاں ہیں جن کے پروجیکٹ مختلف ہوتے ہیں اوران پروجیکٹ کو بروئے کارلانے کے لیے ان کے اپنے مرکز ہوتے ہیں،اب مسلمانوں کے لیے جڑنے سے پہلے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے؟ایک مسلم بروکرطرح طرح کی چیزوں کو سمجھ کرایک سوال نامہ مرتب کرتا ہےاوردارالافتا سے اس کا جواب مانگتا ہےاورمفتی صاحب نے دیکھا کہ شرائط کے اعتبار سے یہ جائز ہےاورلکھ کردے دیا کہ کاروبار کامذکورہ طریقہ درست ہے،اب بروکر یہ فتوی لے کرمسلمانوں کے پاس جاتا ہےاورکہتا ہے کہ ہمارے پاس فتوی ہے کہ یہ کام جائز ہےاوراس سے جڑ سکتے ہیں۔آپ اپنے پیسے اس کمپنی میں لگا سکتے ہیں،ایسی چیزیں مشاہدے میں آچکی ہیں کہ غلط بیانی کر کے جواب لیا گیااور پھراس کو اپنے تجارت کوفروغ دینے میں خوب استعمال کیا گیا۔کمپنیوں کے زیادہ تر معاملات میں تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بنیاد میں شرعی اصول کی خلاف ورزی پائی جاتی ہے؛ بلکہ اکثر و بیشتر کمپنی کے معاملات دھوکہ اور فراڈ پر مبنی ہوتے ہیں،اس لیے بیدار مغزی لازمی شرط ہے کہ ہمارافتوی کوئی غلط مفاد کے لیےتو استعمال نہیں ہوگا؟ایسی جگہوں پر بجائے تحریری طور پرفتوی دینے کے زبانی طور پر بھی اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

مفتی کے لیے تقوی کی صفت

علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ فتوی اورتقوی میں ایک خاص ربط ہے،مفتی کومتقی ہونا چاہیے،خدا کا خوف ہونا چاہیے،اس کی زبان میں صداقت وسچائی ہونی چاہیے، اس کےعمل کے اندراخلاص ہونا چاہیے۔جس طرح مفتی کافتوی چلتا ہے،اسی طرح لوگ مفتی کے عمل کوبھی حجت بناتے ہیں۔فقہاء نے ایک ضابطہ لکھا ہے فعل القاضی حکم ای کامر القاضی اور یہ بات ذہن نشیں ہوکہ مفتی قاضی سے

بڑا ہوتا ہے اس لیے کہ مفتی قاضی کو مسئلہ بتاتا ہے اور قاضی اس پر عمل کرواتا ہے، مفتی مثبت حکم ہوتا ہے اور قاضی ملزم حکم ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ قاضی غیر مجتہد ہوسکتا ہے لیکن مفتی کا مجتہد ہونا ضروری ہے۔ اگر قاضی کو کوئی مسئلہ نہیں معلوم ہے تو مفتی سے معلوم کرتا ہے اور پھر اس مسئلے پر عمل کرواتا ہے قاضی کے پاس اگرچہ اختیار ہے اور مفتی کے پاس اختیار نہیں ہے لیکن علم کے اعتبار سے مفتی کا درجہ بڑا ہوتا ہے۔

فتوی اللہ تعالی کا حکم ہے جو مفتی لوگوں کو بتاتا ہے، ظاہری بات ہے یہ ایک علم ہے اور علم اللہ کا نور ہوتا ہے اور اللہ کا نور طاعت کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے علامہ ابن ہمامؒ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے

> إن أولى ما يستنزل به فيض الرحمة الإلهية في تحقيق الواقعات الشرعية طاعة الله عز وجل والتمسك بحبل التقوى قال تعالى {واتقوا الله ويعلمكم الله} [البقرة: ۲۸۲] ومن اعتمد على رأيه وذهنه في استخراج دقائق الفقه وكنوزه وهو في المعاصي حقيق بإنزال الخذلان فقد اعتمد على ما لا يعتمد عليه {ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور}(۱)

شرعی واقعات میں اللہ تعالی کے فیض کے نزول میں سب سے معاون چیز اللہ تعالی کی طاعت اور تقوی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: تقوی اختیار کرو اللہ تعالی تمہیں سکھلادے گا۔ اور جو شخص فقہی مسائل کی تخریج میں اپنے ذہن اور رائے پر اعتماد کرتا ہے اس حال میں کہ وہ معاصی و گناہ میں لت پت ہے تو ذلت و رسوائی کے نزول کا مستحق ہے اور جس کے لیے اللہ کی طرف سے نور نہ ہو تو اس کے لیے کوئی نور نہیں ہوتا ہے۔

---

(۱) النور: ۴۰۔

کرامت کیا ہے؟

آپ تقویٰ اختیار کریں، مشکل سے مشکل مسئلے میں اللہ آپ کی رہنمائی فرمائے گا۔تقوی اللہ کے خوف کا نام ہے،تقوی کی بنیاد پر انسان کی روح میں ایک قسم کی پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور اس روح کی پاکیزگی سے انسان فرشتوں کے قریب ہو جاتا ہے،انسان کے اندر ملکوتی صفات پیدا ہو جاتی ہیں اور اس روح کی تازگی کی بنیاد پر انسان وہ کرنے لگتا ہے جو ایک عام انسان نہیں کر سکتا ہے ۔حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ بندہ برابر فرائض ونوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے لیے کان ،آنکھ ،دل ،زبان ،ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں، میرے ہی ذریعہ وہ سنتا ہے ،میرے ہی ذریعہ وہ دیکھتا ہے، میرے ہی ذریعہ وہ بولتا ہے اور میرے ہی ذریعہ وہ چلتا ہے۔(۱)

بزرگوں کے ہاتھوں پر کرامات کیوں ظاہر ہوتی ہیں؟ اس لیے کہ اللہ سے تعلق گہرا ہونے کی بنیاد پر اس کی روح کے اندر وہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں کہ ان کی روح فرشتوں کی روح کے مشابہ ہو جاتی ہے، جس طرح فرشتے عام معاملات سے ہٹ کر الگ چیز کر لیتے ہیں اسی طرح بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ خرق عادت کام کر لیتے ہیں، اسی کا نام کرامت ہے، امام رازی نے سورہ کہف کی تفسیر میں اس پر بڑی عمدہ بحث کی ہے۔امام رازی لکھتے ہیں:

إذا استأنست بمعرفة الله ومحبته وقل انغماسها في تدبير هذا البدن، وأشرقت عليها أنوار الأرواح السماوية العرشية المقدسة، وفاضت عليها من تلك الأنوار قويت

(۱) ابوعبداللہ محمد بن عمر فخر الدین رازی، تفسیر رازی (بیروت: دار احیاء التراث) ۱۴۲۰ھ، ۲۱/ ۴۳۵۔

على التصرف في أجسام هذا العالم مثل قوة الأرواح الفلكية على هذه الأعمال، وذلك هو الكرامات۔(۱)

جب انسان اللہ کی معرفت اوراس کی محبت سے انس حاصل کر لیتا ہے، اور بدنی امور کی تدبیر میں اس کی مصروفیت کم ہو جاتی تو اس پر عرش کے مقدس اور آسمانی ارواح کی تجلیات کے انوار چمکنے لگتے ہیں، ان انوار کی برکت سے وہ اس عالم کے اجسام میں ان چیزوں پر اسی طرح قادر ہو جاتا ہے جس طرح آسمانی ارواح ان اعمال پر قادر ہو جاتی ہیں اور یہی کرامت ہے۔

جب مفتی کے اندر تقوی کی صفت پیدا ہوگی تو مفتی کے لیے اللہ تعالی راہیں کھول دے گا قرآن میں ہے مَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا۔ دوسری آیت میں ہے إِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا(۲) یعنی تقوی کی بنا پر اللہ تعالی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی دلیل عطا فرما دیتے ہیں جس کی بنا پر انسان آسانی سے چیزوں کو سمجھ کر صحیح فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور یہ ایک اہم چیز ہے اس کی طرف ہم کم توجہ کرتے ہیں۔

جدید مسائل کا آغاز کب اور کس طرح ہوا؟

اب آیئے جدید مسائل پر کہ جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا کیا منہج ہونا چاہیے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا کوئی نیا طریقہ نہیں ہے، آپ کو اپنے اسی علم پر اور اسلامی ذخیرہ میں جو کتابیں موجود ہیں اسی کے مطالعہ کی روشنی میں جواب لکھنا ہوتا ہے۔ جدید مسائل سے مراد وہ نئے مسائل ہیں جن کا حل صراحت کے ساتھ ہماری فقہی کتابوں اور ہمارے ذخیرے میں موجود نہیں ہے۔ ویسے تو ہر دور میں نئے مسائل پیش آتے رہے ہیں۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

(۱) فخر الدین الرازی، تفسیر رازی، ۱۲/۴۳۶۔ (۲) سورۃ انفال: ۲۹۔

غیر ان الحوادث متعاقبة الوقوع(۱)

کہ نئے مسائل پے در پے پیش آتے رہتے ہیں، فقہ حنفی میں مسائل کی جو درجہ بندی ہے اس میں ظاہر الروایت اور نوادر کے بعد فتاوی و واقعات کا نمبر آتا ہے اس سے مراد وہی مسائل ہوتے ہیں جن کی صراحت کتب ظاہر الروایت اور کتب نوادر میں نہیں ہیں اور ہر زمانے کے علماء نے متقدمین کی کتابوں اور اصولوں کی روشنی میں نئے مسائل کا جواب دیا ہے۔تاہم جدید کا لفظ انیسویں اور بیسویں صدی سے شروع ہوتا ہے، اس لیے کہ انیسویں اور بیسویں صدی وہ ہے جہاں سیاسی حالات نے کروٹ لی، اس سے پہلے خلافت عثمانیہ کا دور تھا اور مسلم حکومتیں غلبے کی حالت میں تھیں اور اس سے پیچھے آپ جہاں تک چلے جائیں گے آپ پائیں گے کہ ہماری فقہ کی تدوین کا جو زمانہ ہے وہ سب غلبے کا زمانہ ہے اور غلبے کی نفسیات الگ ہوتی ہے، طاقتور قوموں کے رہن سہن، مزاج اور انداز جداگانہ ہوتے ہیں۔

بیسویں صدی میں جب خلافت عثمانیہ ختم ہوئی اور عرب ملکوں کا بٹوارا ہوا تو وہاں سے مسلمان کمزوری اور زوال کی طرف آئے، دوسری طرف یورپ نے اپنی بالا دستی حاصل کی، اس نے عرب ملکوں کو اپنا غلام بنایا، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں اس نے ترقی حاصل کی اور یہاں سے وہ مسائل پیدا ہونے شروع ہوئے جس کا حل ہماری کتابوں میں نہیں تھا، اس لیے کہ اب تک ہم طاقتور پوزیشن میں تھے اور پہلی مرتبہ ہم کمزور پوزیشن میں آئے، یورپ اور مغرب کے ساتھ ہمارے تعلقات تو بڑھے لیکن پہلے کے تعلقات کی نوعیت اور اب کے تعلقات کی نوعیت میں فرق تھا، اب کمزور ہونے کی حیثیت سے ہماری بات چیت ہو رہی تھی۔اس زمانے میں ایک اہم مسئلہ انشورنس اور سکیورٹی کا پیدا ہوا، اس زمانے میں انشورنس کو سکیورٹی کہا جاتا تھا، جس کے لیے عربی میں ''سوکرہ'' کی اصطلاح عام ہوئی، جو انگریزی سیکوریٹی کا

(۱) برہان الدین ابوالحسن، المرغینانی، ہدایۃ (دیوبند: یاسر ندیم اینڈ کمپنی) ۱ر ۱۴۲۔

معرب ہے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں فقہاء اسلام کے سامنے یہ سوال پیدا ہوا کہ سوکرہ جو مغربی دنیا میں رائج ہے، ہمارے لیے حلال ہے یا حرام؟ اگر جائز ہے تو اس کے حدود واحکام کیا ہیں؟ یورپ کی سائنسی وتجارتی ترقی کے نتیجے میں جو بے شمار مسئلے پیش آئے، اس میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا۔(۱)

یہیں سے مشنری کا دور شروع ہوا، اس سے پہلے مشنری کا دور نہیں تھا، طرح طرح کی مشینیں آگئیں۔ تجارت کے نئے نئے اسلوب سامنے آگئے، ریل گاڑی چلنے لگی، یورپ سے سامان یہاں جتنی آسانی سے آج آجاتا ہے پہلے اتنی آسانی نہیں تھی ،لوگوں کی جگہ روبورٹ نے لے لی ہے، وہ تمام کام جو انسانی عمل کی پیداوار ہے روبوٹ نے انجام دینا شروع کردیا ہے، طب کی دنیا میں نئے تجربات ہونے لگے، اعضاء کی پیوندکاری ہوئی، جنس تبدیل کرنے کا مسئلہ سامنے آیا، سرجری کے ذریعہ شکل وصورت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدلا جارہا ہے، انٹرنیٹ نے پوری دنیا کو مٹھی میں کردیا ہے، جن چیزوں کا کسی زمانے میں کوئی تصور نہیں تھا وہ تمام چیزیں ممکنات میں بدل گئی ہیں، فقہاء کے یہاں بیع بالکتابۃ کا جو تصور تھا وہ انتہائی محدود تھا لیکن انٹرنیٹ کے ذریعہ اس تصور کو بہت وسعت حاصل ہوگئی، اس میں بے انتہا تنوع پیدا ہوگیا، اس کے علاوہ طرح طرح کی چیزیں وجود میں آنے لگ گئیں۔

یورپ میں مسلمانوں کی آمد

آج یورپ میں جو مسلمان ہیں، وہ اس طور پر ہیں کہ ابتدائی دور میں تو کچھ مسلمانوں کو غلام بنا کر لے جایا گیا اور کچھ لوگ مزدوری کے نام پر لے جائے گئے۔ مسلمانوں کی یہ پہلی کھیپ تو یورپی تہذیب میں ضم ہوگئی اور یورپ کے رنگ میں رنگ گئی، ان کے اندر ایمان ویقین کا شعور باقی نہیں رہا، کچھ دنوں کے بعد مسلمان وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے

(۱) ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضرات فقہ، (ممبئی: مکتبۃ الحق)، ص:۵۱۸۔

جانے لگے، کچھ بزنس کے لیے گئے، کچھ لوگ یورپ کی ترقی اور یورپی تہذیب سے بے پناہ مرعوب ہوکر عیش پسند زندگی کے لیے یورپ گئے، سفارتی تعلقات کی بنا پر بہت سے مسلم ملکوں کے سفارت خانے وہاں قائم ہوئے، سفارت خانے کے مسلم ملازمین اور ان کی اولادیں وہاں قیام پذیر ہوئیں، ان کے اندر اپنے ملک، اپنے مذہب کے تعلق سے بیداری تھی۔ اب وہ لوگ وہاں رہ رہے ہیں لیکن اپنے مذہب کے تعلق سے فکر مند ہیں، اپنی نسلوں کے ایمان کے تعلق سے تشویش میں مبتلا ہیں، اپنے ملک کے تعلق سے فکر مند ہیں، ان کے بچے وہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے غیر مسلم ملکوں میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کا مسئلہ پیدا ہوا، بچوں کی شادی کا مسئلہ پیدا ہوا، غیر مسلم ملکوں میں جو ہوٹل ہیں عام طور پر ہوٹلوں میں شراب بک رہی ہے، دسترخوان پر شراب پروسی جارہی ہے، غیر مسلم دوست بن رہے ہیں، ان کے تہواروں میں مبارک بادی کا مسئلہ پیش آرہا ہے، غیر مسلم دوست کی شادی میں جارہے ہیں، جہاں شراب ہے، خنزیر کا گوشت پروسا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلم ملکوں میں عدالتوں کے ذریعہ نکاح وطلاق کا مسئلہ، جمعہ وجماعت میں تعدد کا مسئلہ اور اس طرح کے متعدد نئے مسائل ہمارے سامنے آرہے ہیں جن کی صراحت ہمیں کتاب وسنت اور فقہی تصریحات میں نہیں ملتی ہیں۔

جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج

اس صورت حال میں ہمارے سامنے ایک چیلنج پیدا ہوا کہ جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج کیا ہونا چاہیے؟۔ بنیادی بات یہ ہے کہ نئے مسائل کے فتاوی کے لیے کوئی نیا طریقہ یا کوئی نئی کتاب نہیں ہے اور نہ ہی فوری طور پر کسی اجتہاد کی حاجت ہے؛ بلکہ جس طرح ہم قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی عبارتوں کو سامنے رکھ کر فتاوی لکھتے ہیں ٹھیک اسی طرح عظیم الشان فقہی ذخیرے میں غور وخوض اور

بحث وتلاش کے بعد جدید مسائل کے حل کا بہت سامان مل جائے گا، ہاں چوں کہ موجودہ صورت حال تھوڑی مختلف ہوئی ہے اور صراحت کے ساتھ اس کا حکم نص میں نہیں ہوتا ہے، اس لیے بعض جزوی مسائل میں علماء امت کو ان ہی کے بتائے ہوئے اصولوں پر جدید اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ اس کے علاوہ نئے مسائل کے لیے ہمیں چند چیزوں پر خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہوگی جس کی طرف یہاں کچھ اشارہ کروں گا ان شاء اللہ۔

وقت اور حالات کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی

سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ حالات کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی ہوتی ہے تتغیر الاحکام بتغیر الزمان زمانے اور حالات کے بدلنے سے احکام بدلتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ ہمیں اس پہلی بات پر بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، بہت زیادہ اس پر غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں بھی حالات کے بدلنے پر مسائل بدلے ہیں، آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کر دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے منع کیا تھا اب تم لوگ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ حالات بدلے آپ نے مسئلہ بدل دیا۔(۱)

قران کریم میں زکوۃ کے مصارف میں ایک مؤلفۃ القلوب ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں مولفۃ القلوب کو زکوۃ کے مصرف سے نکال دیا، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ بالکل ابتدائی زمانے میں صحابہ میں یہ پہلے مسئلے میں حالات کے بدلنے سے تبدیلی ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اسلام کے بالکل ابتدائی زمانے میں اسلام کو ضرورت تھی، آج اسلام کو ضرورت نہیں جس کا جی چاہے مسلمان ہو جائے اور جس کا جی چاہے مسلمان نہ ہو، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ماحول کے

(۱) صحیح البخاری، کتاب الاضاحی، (دار طوق النجاۃ) ۷/۱۰۳۔

بدلنے سے حکم کو بدل دیا۔(۱)

اور یہیں سے فقہا نے یہ ضابطہ بنایا ''تتغیر الاحکام بتغیر الزمان'' آپ ہدایہ پڑھیں گے، بہت سارے مسائل میں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے هذا اختلاف زمان لا اختلاف برهان۔(۲)

یہ زمانہ کا اختلاف ہے دلائل کا اختلاف نہیں ہے۔

اختلاف زمانہ سے مسائل کے مختلف ہونے کی مثالیں:

مقیم جنبی کے لیے تیمم کا حکم

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی جنبی جو ایسی جگہ میں ہے کہ اس کو اندیشہ ہے کہ اگر میں غسل کروں گا تو مر جاؤں گا، یا اعضاء شل ہو جائیں گے، یا میں بیمار پڑ جاؤں گا ایسے جنبی کے لیے تیمم کی اجازت ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چاہے وہ مقیم ہو یا مسافر ہو ایسے شخص کے لیے تیمم کرنے کی اجازت ہے۔ حضرات صاحبین کہتے ہیں کہ مسافر کے لیے تو تیمم کرنے کی اجازت ہے مقیم کے لیے تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اس پر حاشیہ لگایا هذا اختلاف زمان یہ زمانے کا اختلاف ہے، علامہ ابن ہمام کہتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں شہروں میں حمام ہوتے تھے، صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بھی حمام تھے، حمام کا مطلب یہ ہے کہ وہاں گرم پانی کا انتظام ہوتا تھا اور غسل کا اچھا انتظام ہوتا تھا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں حمام میں پیسہ پہلے دینا پڑتا تھا پھر غسل کر سکتے تھے ایسا ہو سکتا ہے کہ شہر میں ایک آدمی ہو، لیکن اس کے پاس حمام میں غسل کرنے کے لیے پیسے نہ ہوں تو امام صاحب نے کہا

(۱) عبداللہ بن بیہ، صناعۃ الفتوی وفقہ الاقلیات، ص:۲۷۷۔

(۲) کمال الدین بن الہمام، فتح القدیر، (بیروت: دار الفکر) ۱/۱۲۵۔

کہ مقیم بھی تیمم کرسکتا ہے۔حضرات صاحبین کے زمانے میں ماحول بدل گیاان کے زمانے میں غسل کے بعد پیسہ دیا جاتا تھا،صاحبین نے کہا کہ جب پہلے غسل کرنا ہے تو آدمی غسل کر لے گا اور جب پیسے کی باری آئے گی تو تنگی کی معذرت کر لے گا کہ بعد میں دوں گا۔امام صاحب کے وقت حالات کچھ اور تھے وہاں پیسے پہلے دینے پڑتے تھے بغیر پیسے کے غسل کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی ،اور صاحبین کے یہاں یہ تھا کہ پیسے کے بغیر غسل ہوسکتا ہے، پیسے کی بات بعد میں آئے گی۔اس تبدیلی کی بنیاد پر دونوں کے یہاں مسئلے الگ الگ ہو گئے، یہ زمانے کا اختلاف ہے۔(۱)

حقیقی عدالت شرط ہے یا نہیں؟

شہادت کے باب میں حضرت امام ابوحنیفہؒ عدالت ظاہرہ کو شرط قرار دیتے ہیں اور حقیقی عدالت جو کہ شاہد کے تعلق سے سوال کرنے ، اور اس کے تزکیہ کے بعد ثابت ہوگا یہ شرط نہیں۔صاحبین فرماتے ہیں کہ حقیقی عدالت شرط ہے،ظاہری عدالت کی بناء پر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے،یعنی اگر فریق مخالف نے شاہد کے سلسلے میں کلام کیا تو اس کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرتے ہوئے امام صاحبؒ کے نزدیک فیصلہ کرنا جائز ہے اور صاحبین فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے،علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: یہ اختلاف زمانے کا ہے؛ اس لیے کہ امام ابوحنیفہؒ کا زمانہ خیر وصلاح کا زمانہ تھا،امام صاحب تابعین کے زمانہ میں تھے اور تابعین کے زمانہ کے لیے آپ ﷺ نے اپنے قول استوصوا بأصحابي خيرا ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يفشوا الكذب(۲) کے ذریعہ خیر کی شہادت دی ہے پھر زمانہ میں تغیر آ گیا اور فساد کا ظہور ہو گیا اس لیے عدالت کے بارے میں سوال کی ضرورت پڑ گئی،

(۱) ابن ہمام، فتح القدیر، (بیروت: دار الفکر)، ۱/ ۲۲۹۔

(۲) محمد بن حبان بن أحمد بن حبان، صحیح بن حبان (بیروت: موسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۸ء)، ۱۶/ ۲۳۹۔

اس لیے امام صاحب اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف زمانہ کی بنا پر ہے۔(۱)

تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا حکم

تعلیم قران کا مسئلہ مشہور ہے اور آپ نے رسم المفتی میں بھی پڑھا ہوگا کہ متقدمین کی رائے یہ تھی کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن متاخرین فقہا تعلیم قرآن پر اجرت لینے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ متقدمین کے زمانے میں دینی خدمت گزاروں کو بیت المال سے وظیفہ ملتا تھا اور جب وظیفہ مل رہا ہے تو دین کی خدمت مفت میں کرنی چاہیے، عبادت بغیر اجرت کے اصل اور پسندیدہ ہے۔ قرآن پڑھانا یہ بھی عبادت ہے، اس کی اجرت نہیں لینی چاہیے، امامت عبادت ہے اس پر اجرت نہیں لینی چاہیے۔ لیکن بعد میں بیت المال کا رواج ختم ہوگیا اب ظاہری بات ہے کہ امام یا معلم اجرت نہیں لیں گے تو ان کی اپنی ضرورت کہاں سے پوری ہوگی، حالات بدل گئے اور حالات بدلنے پر علماء نے کہا کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔ تو اس طرح کے بہت سارے مسائل آپ کو ملیں گے۔

تغیر زمان سے حکم بدلنے کے شرائط

لیکن یہ ضابطہ کلی نہیں ہے اور نہ ہی ہر جگہ زمانہ کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی ہوگی مثلاً نماز، روزہ، زکات اور حج کی فرضیت میں کوئی تبدیلی کبھی بھی نہیں ہوگی، اسی طرح برالوالدین، جیسے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اسی طرح بہت سی منہیات جیسے کسی کی جان، مال، عزت و آبرو سے کھلواڑ کرنا یہ حرام ہے۔ خیانت، سود، غرر فاحش، یہ سب ہر حال میں حرام ہیں اور ضرورت کی بنا پر ہی مباح ہوسکتی ہیں۔ یعنی اجتہادی امور میں حالات کی تبدیلی کی بنا پر تبدیلی ہوسکتی ہے

(۱) علاء الدین کاسانی، بدائع الصنائع (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۶)، ۶/ ۲۷۰۔

لیکن جو قطعی احکامات ہیں ان میں حالات وزمانہ کی بنا پر کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ پس عورت کی ضرورت کے پیش نظر میراث کے مسئلہ میں تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے۔ شراب کے عموم ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثانی صاحب نے لکھا ہے کہ اس قاعدے پر عمل کی دو شرطیں ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ یہ حکم معلول بالعلۃ ہو، تعبدی نہ ہو اگر حکم تعبدی ہوگا تو اس میں کوئی تغیر نہیں ہوگا، چوں کہ عبادات ساری تعبدی ہیں نہ کہ معلول بالعلۃ اس لیے ان میں کوئی تغیر نہیں آئے گا، دوسری شرط یہ ہے کہ جس علت پر حکم کا مدار رکھا تھا وہ علم مفقود ہو جائے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حکم کا مدار مصلحت پر ہے اور مصلحت کے فوت ہونے پر حکم بدل جائے گا۔ حضرت مفتی محمد تقی عثانی صاحب نے اس پر نکیر کی ہے انہوں نے لکھا ہے: بعض معاصرین کا یہ قول بالکل باطل ہے کہ مصلحت کے بدلنے سے حکم بدل جائے گا اس طرح تو تمام احکام شرعیہ ہی بے کار ہو جائیں گے، مثلا کوئی شخص یہ کہے گا کہ خنزیر کے گوشت کے حرام ہونے کی مصلحت یہ تھی کہ اس زمانے میں خنزیر گندگی کھاتا تھا لیکن اب یہ مصلحت بدل گئی، اب خنزیر گندگی نہیں کھاتا ہے اس لیے خنزیر حلال ہونا چاہیے، یا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جماعت سے نماز پڑھنے کی مصلحت اجتماعیت کا اظہار ہے، چوں کہ اجتماعیت دوسرے راستے سے حاصل ہوگئی تو اب جماعت سے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں۔(۱)

اقلیتی ممالک میں فتاوی نویسی

نئے مسائل میں فتوی لکھنے میں ان پہلوؤں کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ حالات اور زمانہ کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے، ہندوستان کے پس منظر میں یہ پہلو خاص طور پر پیش نظر ہونا چاہیے، اس لیے کہ ہماری جو فقہ کی کتابیں ہیں ان ملکوں میں لکھی گئی جہاں

(۱) محمد تقی العثمانی، اصول الافتاء، ص:۲۸۶۔

مسلمانوں کی حکومت اور شوکت کا ڈنکا بج رہا تھا اور اس وقت ہندوستان کا یہ حال ہے کہ بعض مرتبہ آپ کو کھل کر اپنے مذہب پر عمل کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، کبھی پبلک پیلس پر نماز پڑھنے کا مسئلہ پیش آجاتا ہے، اب یہاں حالات بدلے ہیں تو ہمیں اپنے مسئلے میں بھی غور کرنا پڑے گا۔ مفتی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ درمختار میں ایک مسئلہ پڑھے اور وہی مسئلہ سائل پر چسپاں کردے، آپ کو دیکھنا پڑے گا کہ یہ جو مسئلہ درمختار میں ہے، یہ کس زمانے میں لکھا گیا ہے، کس ملک میں لکھا گیا ہے اور اس ملک کے مسلمانوں کے کیا حالات تھے اور جو مسئلہ ہم سے پوچھا گیا ہے اس کی روشنی میں ہمارے ملک کی صورت حال کیا ہے اور کیا قدیم مسائل پر فتویٰ ممکن العمل ہے۔

سوال کی تنقیح

یہ بات تو عمومی طور پر ضروری ہے خاص کر جدید مسائل میں اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے کہ پہلے سوال کو پڑھا جائے، اس کا صحیح فہم حاصل کیا جائے، اگر مزید سوال کی ضرورت ہو تو سائل سے مزید سوالات کئے جائیں، کبھی سائل غیر ضروری باتیں ذکر کردیتا ہے اور وہ باتیں جو احکام میں مؤثر ہوتی ہیں اس کو چھوڑ دیتا ہے، کمپنیوں کے سوالات میں ایسا اکثر ہوتا ہے کہ بہت سی تفصیلات تو ذکر کی جاتی ہیں لیکن وہ بات جو احکام میں مؤثر ہوتی ہیں ان کو ذکر نہیں کیا جاتا ہے، اس لیے سوال کا جواب دیتے وقت اس پر نظر کرنا ضروری ہے اور جو سوال کیا گیا ہے اس کا صحیح فہم وادراک ضروری ہے اس لیے کہ کسی بھی مسئلے کا حکم شرعی اس کے تصور اور فہم پر ہی مبنی ہوتا ہے، اگر صورت مسئلہ کا صحیح ادارک نہیں کیا گیا تو جواب میں غلطی ہوگی، اس لیے مفتی کے لیے لازم ہے کہ جواب دینے میں جلدی کرنے کے بجائے مستفتی سے معلوم کرکے سوال کے ابہام کو دور کرے۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: مستفتی سوال میں جو تفصیلات ذکر کرتا ہے وہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو واقعات میں مؤثر ہوتے ہیں اور

دوسرے وہ جس کا حکم کی تاثیر میں کوئی کردار نہیں ہوتا ہے، مفتی کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دونوں میں فرق وامتیاز کرے۔اور کبھی مستفتی اپنے سوال میں ان باتوں کوذکر ہی نہیں کرتا جس پر صحیح جواب موقوف ہوتا ہے اور وہ تفصیلات بیان کرتا ہے جس پر حکم کا مدار نہیں ہوتا، اس وقت مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ سوال میں تنقیح کرے اور سائل سے وہ باتیں معلوم کرے جن پر احکام کا مدار ہے۔(۱)

شیخ طٰہ جابر نے بڑی اچھی بات کہی ہے انہوں نے کہا کہ اگر مفتی صرف سائل کا سوال پڑھ کر جواب لکھے گا تو یقینی سی بات ہے کہ وہ جواب غلط ہوگا، بلکہ ضروری ہے کہ سائل کے سوال کو پڑھے، ماحول کو پڑھے، سوال کے پس منظر کو پڑھے مزید کچھ چیز پوچھنے کی ہوتو وہ چیز پوچھے اور اگر سوال کا بیانیہ تبدیل کرنے کی ضرورت ہوتو سوال کا بیانیہ تبدیل کرے اور اس کے بعد جواب لکھے، انہوں نے ایک مثال دی ہے:

کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ مسلم اقلیت کے لیے ان ممالک میں جہاں وہ رہتے ہیں سیاسی شرکت جائز ہے؟ جس سے ان کے حقوق کا تحفظ ہو اور ان کے لیے دوسرے شہروں کے مسلمانوں کی مدد کرنا آسان ہو۔اس پر شیخ طٰہ جابر کہتے ہیں کہ وہ فقیہ جو اسلام کی آفاقیت سے واقف ہوگا وہ مذکورہ صورت میں اس سوال کو قبول نہیں کرے گا؛ بلکہ سلبی پہلو سے ایجابی پہلو کی طرف منتقل ہوگا اور اس طرح سوال بنائے گا کہ اس طرح کے ملکوں میں مسلمانوں کی سیاسی شرکت واجب ہے یا نہیں؟ پھر اس پس منظر کو سامنے رکھ کر جواب دے گا۔(۲)

جدید مسائل میں فتاوی نویسی کے لیے ایک ضروری چیز یہ ہے کہ مفتی کو حالات، ماحول اور عرف کا پتہ ہو۔ **من لم یعرف بعرف اھل زمانہ فھو جاھل** مفتی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کمرے میں بیٹھ کر کتاب پڑھے اور فتوی لکھ دے۔امام محمدؒ

(۱) محمد تقی العثمانی، اصول الافتاء، ۳۵۳۔

(۲) طٰہ جابر العلوانی، مقاصد الشریعۃ (بیروت: دار الہادی للنشر والتوزیع) ص:۱۰۱۔

کے بارے میں آتا ہے کہ آپ بازار جایا کرتے تھے، بازار کے احوال معلوم کیا کرتے تھے اور بازار کے حالات دیکھ کر فتوی لکھا کرتے تھے۔ آج کل جو نئی ٹیکنالوجی آرہی ہے جو نئے مسائل آرہے ہیں اس کا پس منظر کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور صورت مسئلہ کی تازہ صورت کیا ہے؟ ان چیزوں کو معلوم کر کے فتوی لکھنا چاہیے۔ بیس پچیس سال پہلے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے یہ مسئلہ لکھا کہ شیئر کی خرید و فروخت چار شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ ہمارے مفتیان کرام اسی فتوے کو پڑھتے ہیں اور فتوی لکھتے ہیں جب کہ ان تیس سالوں میں شیئر مارکٹ میں کافی تبدیلی ہوگئی، بہت سی نئی چیزیں آگئی ہیں ہم ان چیزوں سے واقف نہیں، اپنے بزرگوں کی کتابوں کا اور ان کی تحقیق کا احترام ہونا چاہیے، لیکن حالات بدلیں گے تو مسائل بدلیں گے، یہ پہلو بھی پیش نظر ہونا چاہیے۔

صورت مسئلہ کی صحیح تفہیم

سوال کی تنقیح کے بعد دوسرا اہم مرحلہ سوال کی تفہیم کا ہے یہ تنقیح سے ہی جڑا ہوا مسئلہ ہے لیکن بسا اوقات تنقیح کے بعد بھی مفتی کے لیے سوال اپنے موضوع کے اعتبار سے نیا ہوتا ہے اور سوال کی پوری صورت حال کا علم نہیں ہوتا، اس صورت میں سوال کا شرعی حکم معلوم کرنے سے پہلے اس کو مکمل سمجھنا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر انشورنس کا مسئلہ پوچھا گیا تو فوری طور پر اس کا شرعی حکم لکھنے سے پہلے ضروری ہے کہ انشورنس کی حقیقت کو اس کے متعلقہ کتابوں کی مدد سے پڑھا جائے، انشورنس کیا ہے؟ اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اس کے اقسام کیا ہیں؟ اس کا طریقہ کار کیا ہے؟ جبری انشورنس کیا ہے؟ اختیاری انشورنس کیا ہے؟ انشورنس میں رقم کی واپسی کی شرط ہے یا خدمات کی فراہمی کی شرط ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟ لائف انشورنس کیا ہے؟ میڈیکل انشورنس کیا ہے؟ کاروبار، گھر مکان گاڑی کا انشورنس کیا ہے؟ اور اس کو

سمجھنے کے لیے بھی بہتر ہوگا کہ اس کے ماہرین سے رابطہ قائم کیا جائے، طب کا کوئی مسئلہ ہے تو ڈاکٹروں سے معلوم کیا جائے، کاروبار میں کوئی نئی صورت پیش آرہی ہے کہ تو اس کے متعلقہ محکمے سے رابطہ کیا جائے، اس طرح موضوع سے متعلق مکمل واقفیت حاصل کی جائے تب مسئلہ کا حل کرنا آسان ہوگا۔

حکم شرعی کی تکییف

مسئلے کی تنقیح اور تفہیم کے بعد اب فقہی تکییف یعنی مسئلے کو کسی اصولی فریم ورک میں لانے کا مرحلہ ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے مسئلے کے مختلف عناصر کو نکال کر اس کا تجزیہ کیا جائے اور ان پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے جو حکم میں مؤثر ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر انشورنس کے مسئلے کی اگر فقہی تکییف کرتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ لائف انشورنس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی کمپنی سے اپنی زندگی کا انشورنس کراتا ہے، کمپنی اس سے کہتی ہے کہ آپ بیس سال تک ہر ماہ دو ہزار روپے جمع کیجئے، اگر آپ کی اس عرصے میں ناگہانی موت ہوگئی تو کمپنی آپ کے ورثہ کو مثلاً دس لاکھ روپیے دے گی۔ اس صورت مسئلہ میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ اگر آدمی کی ناگہانی موت نہیں ہوتی ہے تو اس کا پیسہ ضائع ہو جاتا ہے اور اگر ناگہانی موت ہو جاتی ہے کہ جتنے اس نے جمع کئے ہیں اس سے دس گنا اضافہ مل سکتا ہے تو یہاں پر ناگہانی موت کی صورت میں کئی گنا رقم کا ملنا یہ سود ہے اس لیے کہ آپ کے پیسوں پر بلا کسی عوض کے زائد پیسے مل رہے ہیں اور ناگہانی موت نہ ہونے کی صورت میں آپ کے پیسوں کا ضائع ہو جانا یہ صورت مخاطرہ اور قمار ہے یعنی لائف انشورنس میں سود اور قمار کے معنی پائے جاتے ہیں اس لیے لائف انشورنس ناجائز ہے۔

حکم شرعی کی تکییف کے وقت ایک اہم مسئلہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ بسا اوقات حضرات فقہاء اپنے زمانے کے احوال کو سامنے رکھ کر اور اس زمانے کے

امکانیات کے پیش نظرکوئی حکم یا کوئی قاعدہ یا کوئی تعریف وضع کرتے ہیں، مستقبل میں صورت حال اس قدر تبدیل ہوجائے گی اس کا انہیں ادراک نہیں ہوتا؛ اس لیے ان کی عبارتیں مستقبل کے لیے مشعل راہ نہیں ہوتیں، بسا اوقات مفتی اس کو ہمیشہ کے لیے ایک قانون سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو انہیں دشواری ہوتی ہے لیکن اگر اس مسئلے کو اس بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی جائے کہ یہ بات حضرات فقہاء نے اُس زمانے کے اعتبار سے لکھی تھی اور صورت حال اس قدر تبدیل ہوجائے گی انہیں اس کا ادراک نہیں تھا اس لیے موجودہ احوال میں اب حکم میں تبدیلی ہونی چاہیے اس طرح اگر غور کیا جائے تو مسئلہ آسان ہوجاتا ہے۔ اس کی دو مثالیں میں یہاں پیش کرتا ہوں۔

ہوائی جہاز میں نماز کا مسئلہ

بعض علماء نے ہوائی جہاز میں نماز کے عدم جواز کا فتوی دیا اس لیے کہ ہوائی جہاز پر سجدہ کا تحقق نہیں ہوتا ہے، ان حضرات کے پیش نظر یہ تھا کہ سجدہ کی تعریف حضرات فقہاء نے وضع الجبهة علی الارض سے کی ہے لہٰذا سجدہ کی تعریف کے لیے ضروری ہے کہ زمین پر پیشانی کا استقرار ہو یا اس چیز پر پیشانی کا استقرار ہو جو زمین پر ہے، ہوائی جہاز فضاء میں پرواز کرتا ہے، جہاں نہ تو وہ زمین پر ہے اور نہ ہی زمین پر اس کا استقرار ہے، اس لیے جہاز پر سجدے کا تحقق نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ حضرات فقہاء کے سجدہ کی تعریف پر مبنی ہے۔ لیکن موجودہ دور کے بڑے علماء کرام نے لکھا ہے کہ حضرات فقہاء نے سجدہ کی تعریف میں زمین کی قید اس لیے لگائی کہ انہوں نے دیکھا کہ پاؤں کی جگہ پر سر کا آنا یہ دراصل سجدہ ہے اور پاؤں کا استقرار زمین پر ہوتا ہے یا اس چیز پر جس کا استقرار زمین پر ہوتا ہے اس لیے انہوں نے سجدہ کی تعریف میں ''ارض'' کی قید لگائی۔ ان کے سامنے ہوائی جہاز کا تصور نہیں تھا اور یہ کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگ زمین کے علاوہ فضاء میں بھی سجدہ کرنے پر قادر

ہوجائیں گے اس تصور سے وہ لوگ خالی تھے؛ اس لیے انہوں نے سجدہ کی تعریف میں زمین کی قید لگادی، لیکن آج سجدہ کی جو کیفیت اور صفات ہیں وہ تمام ہوائی جہاز کے فرش پر بھی پائی جاتی ہیں اس لیے ہوائی جہاز کے فرش پر بھی سجدہ کرنا درست ہوگا اور ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہوگا۔(۱)

اختلاف مطالع معتبر ہے یا نہیں؟

حضراتِ فقہاء کے مابین اختلافِ مطالع کے سلسلے میں جو اختلاف ہے وہ اس بارے میں نہیں ہے کہ اختلافِ مطالع ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ اختلافِ مطالع ایک مسلّم اور ثابت شدہ شئی ہے جس کے بارے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں؛ البتہ اختلاف اس سلسلے میں ہے کہ یہ اختلافِ مطالع احکام میں مؤثر ہوں گے یا نہیں؟ چناں چہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

اعلم أن نفس اختلاف المطالع لا نزاع فيه بمعنى أنه قد يكون بين البلدتين بعد بحيث يطلع الهلال له ليلة كذا في إحدى البلدتين دون الأخرى وكذا مطالع الشمس--- وإنما الخلاف في اعتبار اختلاف المطالع -- الخ ۔(۲)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ اختلافِ فقہاء اختلافِ مطالع کے اعتبار وعدمِ اعتبار کے سلسلے میں ہے، چناں چہ اس بارے میں تین نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا مطلقاً کوئی اعتبار نہیں، نہ بلادِ قریبہ میں، نہ بلادِ بعیدہ میں، لہٰذا ایک شہر میں رؤیت ہوجائے تو بطریقِ موجب جس شہر وعلاقہ میں بھی یہ خبر پہنچے، وہاں کے لوگوں پر اس رؤیت کا اعتبار لازم ہوگا: امام

(۱) محمد تقی العثمانی، اصول الافتاء، ۳۵۹۔

(۲) محمد امین ابن عابدین الشامی، ردالمحتار، ج ۳، ص: ۳۶۳-۳۶۴، ط: زکریا دیوبند۔

ابوحنیفہؒ، امامِ مالکؒ، امام احمدؒ وغیرہ کا یہی مسلک ہے، اور کتبِ احناف میں اسی قول کو ''ظاہرالروایۃ'' قرار دیا گیا ہے۔(۱)

(۲) دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اختلافِ مطالع کا ہر حال میں اعتبار کیا جائے، بلادِ قریبہ میں بھی اور بلادِ بعیدہ میں بھی: ابن حجر عسقلانیؒ نے بحوالہ ابن المنذر اس قول کو عکرمہ، قاسم، سالم واسحاق رحمہم اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا کہ امام ترمذیؒ نے اہلِ علم سے صرف اسی قول کو نقل کیا ہے اور علامہ ماوردی شافعیؒ نے شافعیہ کا ایک قول یہی بیان کیا ہے۔(۲)

(۳) تیسرا نقطۂ نظر اس سلسلے میں یہ ہے کہ بلادِ قریبہ میں اختلافِ مطالع معتبر نہیں، اور بلادِ بعیدہ میں معتبر ہے، لہٰذا ایک جگہ کی رؤیت اس جگہ سے قریب علاقوں میں مانی جائے گی، اس سے بعید علاقوں میں نہیں۔ شافعیہ میں سے اکثر حضرات نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔(۳)

علماءِ احناف میں سے بھی کچھ حضرات نے اسی تیسرے قول کو راجح قرار دیا ہے، چناں چہ علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے علامہ طحطاویؒ، امام قدوریؒ، صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ، صاحبِ ہدایہ، علامہ زیلعی رحمہم اللہ اور دیگر فقہاء کی عبارات سے واضح کیا ہے اور خود علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے بھی (مجموعۃ الفتاویٰ، ۱/ ۲۶۷) میں اسی قول کو اختیار کیا ہے، نیز محققین حنفیہ میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ محمد یوسف بنوریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ کی یہی رائے ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے درسِ ترمذی میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔(۴)

(۱) الفقہ علی المذاہب الأربعۃ، ۵۰۰/ ۱، البحر الرائق، ۴۷۰/ ۲، الدر مع الرد، ۳۶۳/ ۳، ابن رشد بدایۃ المجتہد، ۲۹۴/ ۱، الاقناع، ۴۸۶/ ۱)۔

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ج ۴، ص: ۱۲۳۔

(۳) محی الدین النووی، شرح النووی علی صحیح مسلم، ۱۹۷/ ۷، الفقہ علی المذاہب الأربعۃ، ۵۰۰/ ۱۔

(۴) یوسف البنوری، معارف السنن، ۵/ ۳۳۷، شبیر احمد العثمانی، فتح الملہم، ۳/ ۱۱۳، محمد شفیع العثمانی، جواہر الفقہ، ۳/ ۴۷۹، محمد تقی العثمانی، درسِ ترمذی، ۲/ ۵۳۷۔

اس سے معلوم ہوا کہ متاخرینِ حنفیہ میں سے اکثر کے نزدیک راجح تیسرا قول ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے، بلادِ قریبہ میں نہیں۔ اس قول کے راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں یہ بات منصوص اور قطعی ہے کہ کوئی مہینہ انتیس دن سے کم اور تیس دن سے زائد نہیں ہوسکتا، بلادِ بعیدہ اور مشرق ومغرب کے فاصلوں میں اگر اختلافِ مطالع کو مطلقاً نظر انداز کر دیا جائے تو اس نصِ قطعی کے خلاف لازم آئے گا بایں طور کہ کسی شہر میں اٹھائیس کو بعید ملک سے اس کی شہادت پہنچ جائے کہ آج وہاں چاند دیکھ لیا گیا ہے تو اگر اس شہر کو دوسرے کے تابع کیا جائے تو اس کا مہینہ اٹھائیس کا رہ جائے گا، اسی طرح اگر کسی شہر میں رمضان کی تیس تاریخ کو کسی بعید ملک سے بذریعۂ شہادت یہ ثابت ہوجائے کہ وہاں ۲۹ر تاریخ ہے اور اگر چاند نظر نہ آیا تو کل وہاں روزہ ہوگا اور اتفاقاً چاند نظر نہ آیا تو تیس تاریخ والوں کو اکتیس روزے رکھنے پڑیں گے اور ان کا مہینہ اکتیس کا قرار دینا پڑے گا جو نصِ قطعی کے خلاف ہے، اس لیے ناگزیر ہے کہ بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا جائے۔

حضرات متقدمین حنفیہ نے جو اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن بلاد میں مشرق ومغرب کا فاصلہ ہے، وہاں ایک جگہ کی شہادت دوسری جگہ پہنچنا ان حضرات کے لیے محض ایک فرضی قضیہ اور تخیل سے زائد کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا اور ایسے فرضی قضایا سے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا، گویا متقدمین کے نزدیک مشرق ومغرب کی خبر کا اس طرح چند منٹوں میں پہونچنا ناقابل تصور تھا اس لیے متقدمین فقہاء نے اختلافِ مطالع کو غیر معتبر قرار دیا، لیکن موجودہ دور میں وسائل کی بہتات نے ساری دنیا کو ایک قالب میں ڈھال دیا ہے، ایک جگہ کی شہادت دوسری جگہ پہنچنا چند منٹوں میں ممکن ہوگیا ہے؛ بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ مشرق ومغرب کے فاصلے چند گھنٹوں میں طے کیے جاسکتے ہیں، لہٰذا اس صورت میں اگر مشرق کی شہادت مغرب میں اور مغرب کی مشرق میں حجت مانی جائے تو کسی جگہ مہینہ اٹھائیس

دن کا، کسی جگہ اکتیس دن کا ہونا لازم آئے گا، اس لیے ایسے بلادِ بعیدہ میں جہاں مہینہ کے دنوں میں کمی بیشی کا امکان ہو تو اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنا ہی ناگزیر اور مسلکِ حنفیہ کے عین مطابق ہوگا، نیز یہ فقہی ضابطہ ''تتغیر الأحکام بتغیر الزمان'' کے بھی مطابق ہوگا، یہی وجہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں اکثر علماءِ مذاہبِ اربعہ نے اختلافِ مطالع کے اعتبار کا فتویٰ دیا ہے۔ اس مسئلے میں متقدمین کی آرا ان کے زمانے کے تصورات پر مبنی ہیں جو کہ آج یکسر بدل گئے ہیں۔

ضرورت کی بنا پر فقہ حنفی سے عدول

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے زمانے میں بہت سے تجدیدی کام کیے ہیں، ان کاموں میں ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ انہوں نے حالات کے بدلنے کی بنیاد پر حکم کی تبدیلی کا نہ صرف فتوی دیا ہے؛ بلکہ فقہ حنفی سے عدول کر کے فقہ مالکی پر فتوی دیا، انہوں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیتے ہیں، بیوی کے ساتھ مار پیٹ کرتے ہیں، کوئی ان کا پرسان حال نہیں ہے۔ مفقود الخبر کے بارے میں ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ۹۰ رسال تک عورت انتظار کرے اس کے بعد فسخ نکاح ہوگا، ظاہری بات ہے کہ یہ ایک ناقابل عمل مسئلہ ہے اس کی بنا پر عورتیں مرتد ہو رہی ہیں، اس سلسلے میں حضرت تھانویؒ نے علماء مالکیہ سے خط و کتابت کی اور پھر باہمی مشورہ کے بعد فقہ حنفی سے عدول کرتے ہوئے فقہ مالکی کے مطابق چار سال کا فتوی دیا اور یہ نمونہ بنا کہ ہم ضرورت کی بنیاد پر فقہ حنفی سے دوسرے ائمہ کی طرف عدول کر سکتے ہیں۔ حضرت تھانوی الحیلۃ الناجزۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتوی دینا بھی جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس

مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں؛ بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اپنے رسالہ شرح عقود رسم المفتی میں اس کی صراحت کی ہے، اس زمانے میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق اور متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتوی نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کا مذہب نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لیے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ اور خواہش نفس کی بنا پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے بصیرت ضرورت سمجھیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتوی دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن حاصل کیا ہو اور اہل بصیرت اس کو فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے کی شہادت دیتے ہوں۔(۱)

''الحیلۃ الناجزۃ'' کتاب کی بنیاد اسی مسئلے پر ہے، فقہ و فتاوی سے دلچسپی رکھنے والے طلبہ کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

جدید مسائل کے حل کے لیے مذاہب اربعہ کا مطالعہ

علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ فقہ حنفی کے ساتھ دیگر فقہی مذاہب کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے اس سے فقہ و فتاوی میں وسعت پیدا ہوگی، اور اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی میں نہیں ہے تو دوسری فقہ میں مل سکتا ہے اور بلا کسی اجتہاد کی ضرورت کے مسئلہ حل ہو سکتا ہے، چناں چہ آپ لکھتے ہیں:

مبسوط، بدائع، قاضی خان سے لے کر طحطاوی، رد المحتار، اور التحریر المختار تک کتب فقہ حنفی کی ورق گردانی کرنے کے بعد بھی اگر مسئلہ ہاتھ نہ آئے تو امہات کتب مذاہب ثلاثہ کی ورق گردانی کرنی ہوگی، فقہ مالکی میں مدونہ کبری سے لے کر حطاب

(۱) اشرف علی تھانوی، الحیلۃ الناجزۃ، (لکھنؤ)، مکتبہ معہد الشریعۃ، ۶۸۔

تک اور فقہ شافعی میں کتاب الام سے لے کر تحفۃ المحتاج تک مراجعت کرنی ہوگی، حکومت سعودی کی عنایت وتوجہ سے فقہ حنبلی کا عظیم الشان ذخیرہ طبع ہوکر آ گیا ہے اس کے لیے مغنی ابن قدامہ، المحرر اور الانصاف کی ورق گردانی کافی ہوگی الغرض اگر مسؤلہ ومطلوبہ مسئلہ ان کتب میں مل جائے تو اس پر فتوی دے دیا جائے اجتہاد کی ہرگز ضرورت نہیں (۱)

علامہ یوسف بنوریؒ کی بات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسئلہ میں فوری طور پر اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی میں نہ ملے تو دیگر فقہی مذاہب سے استفادہ کرنا چاہیے۔ درمختار میں مختلف جگہ یہ لکھا ہے کہ یہ مسئلہ ہمیں اپنی کتابوں میں نہیں ملا، فقہ شافعی میں ملا، چناں چہ ایک جگہ لکھا ہے:

والمذكور في كتب الشافعية أن له ذلك، وقواعدنا لا تأباه۔(۲)

کتب شافعیہ میں مذکور ہے کہ شوہر کو بیوی کو منع کرنے کا حق ہے اور ہمارے قواعد سے اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے

حضانت کے باب میں علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وفي كتب الشافعية: مؤنة الحضانة في مال المحضون لو له وإلا فعلى من تلزمه نفقته. قال شيخنا: وقواعدنا تقتضيه فيفتى به۔(۳)

کتب شافعیہ میں ہے کہ پرورش کا خرچ محضون کے مال میں سے ہوگا اگر اس کے پاس مال ہے ورنہ ان پر لازم ہوگا جن پر نفقہ لازم ہے، ہمارے مشائخ نے کہا کہ ہمارے قواعد بھی اسی بات کا تقاضا کرتے ہیں پس اسی پر فتوی دیا جائے گا۔

(۱) جدید فقہی مسائل اور چند رہنما اصول، حضرت مولانا یوسف بنوری، فتاوی بینات، ۲۱/۱۔

(۲) ردالمحتار، ۵۳۳/۱۳۔ (۳) ردالمحتار، ۵۶۲/۳۔

اس طرح کی عبارتیں درمختار میں کثرت سے ملتی ہیں، بعض عبارت میں فقہ مالکی اور فقہ حنبلی کا بھی تذکرہ ہے۔ معلوم ہوا کہ دیگر فقہی مذاہب پر بھی ضرورت کے موقع پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

بسا اوقات ایک مسئلہ اپنے ناقص علم کی بنا پر بالکل نیا معلوم ہوتا ہے، جب کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت مذکور ہوتی ہے۔ میں اپنے طالب علمی کے زمانے کا ایک واقعہ بتاتا ہوں، ہمارے سامنے ایک مسئلہ آیا کہ آلو کو زمین سے نکالے بغیر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مجھے لگا یہ بالکل نیا مسئلہ ہے یہ کہاں ملے گا لیکن تلاش کرنا شروع کیا تو فتاوی شامی کے اندر ایک عنوان صراحت کے ساتھ ملا مطلب فی بیع ما یغیب فی الارض جو چیز زمین کے اندر چھپی ہوئی ہوتی ہیں اس کی بیع کا حکم، اس میں بہت ساری چیزیں آتی ہیں علامہ شامی نے اس کا تفصیلی جواب تحریر کیا ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ایک مسئلہ بالکل نیا سمجھ رہا تھا لیکن وہ مسئلہ بالکل صراحت کے ساتھ شامی میں موجود ہے تو اگر کوئی مسئلہ اپنی کتابوں میں تلاش کریں تو اس کے نظائر مل جائیں گے اور اس سلسلے میں شامی تو بہترین کتاب ہے۔

فتاویٰ شامی کا تعارف

جزئیات کے سلسلے میں فتاوی شامی بہترین کتاب ہے اور نقل میں علامہ شامی اثبت ہیں یعنی انہوں نے کتب فقہ سے جو عبارات و جزئیات اور حوالے نقل فرمائے ہیں وہ اصل کے موافق نکلتے ہیں، جزئیات کی کثرت کی وجہ سے جو بھی مسئلہ تلاش کیجیے کوئی نہ کوئی ایسی عبارت مل جائے گی جس سے آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ قریب کے زمانے میں فتاوی شامی پر حضرات علماء کا بڑا اعتماد اور بہت زیادہ رجوع رہا ہے، حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوریؒ کے بارے میں لکھا ہے آپ نے بالاستیعاب دو مرتبہ شامی کا مطالعہ کیا تھا، حضرت مفتی محمود

صاحب گنگوہیؒ کے مطالعہ میں ہمیشہ شامی رہتی تھی۔ حضرت مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ کو دیکھا کہ بہت زیادہ فتاوی شامی کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے، آپ نے فتاوی دارالعلوم مرتب کی ہے اس کی تخریج بھی آپ نے حاشیہ میں کی ہے اس میں زیادہ تر عبارتیں آپ کو فتاوی شامی کی ملیں گی۔ دارالعلوم دیو بند میں فتاوی شامی کی اسی اہمیت کے پیش نظر باضابطہ ایک شعبہ ''مطالعہ شامی'' کے نام سے قائم ہے جس میں باضابطہ دو سال کے عرصے میں پوری شامی کا بالاستیعاب مطالعہ کرایا جاتا ہے اور جزئیات کا عناوین کے ذریعہ استخراج کرایا جاتا ہے۔ اس راقم کو بھی الحمد اللہ اس شعبہ میں پڑھنے اور مکمل ''فتاویٰ شامی'' کے مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمر تاشیؒ (المتوفی ۱۰۰۴ھ) کا تحریر فرمودہ متن ''تنویر الابصار'' ہے جس کی سب سے معروف شرح علامہ علاؤ الدین الحصکفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) کی کتاب ''الدر المختار'' ہے۔ اس پر علامہ شامی نے حاشیہ لکھا ہے جس کا نام انہوں نے ردالمحتار رکھا ہے یعنی درمختار کی مغلق اور معضل عبارتوں سے جو لوگ پریشان اور حیران ہیں علامہ شامی کا یہ حاشیہ ان کی پریشانی کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگا، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: قد ارشدت من احتار من الطلاب فی فهم معانی هذا الکتاب فلهذا سمیتها رد المحتار علی الدر المختار یہی وجہ ہے کہ درمختار کو اس کے اختصار و اغلاق کی وجہ سے غیر مفتی بہ کتابوں میں شمار کیا گیا ہے، لیکن علامہ شامی کے حاشیہ کی بنا پر اس کی پیچیدگیاں دور ہو گئیں ہیں اور اب اس سے فتوی دینا درست ہے۔ مصنف نے اس کا نام ردالمحتار رکھا ہے، علامہ شامی کا اصل نام محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی (المتوفی: ۱۲۵۲ھ) ہے؛ اور ''ابن عابدین'' سے مشہور ہیں اس لیے اس کو ''حاشیہ ابن عابدین'' بھی کہا جاتا ہے، اور اس کتاب میں جزئیات کی کثرت ہے جس سے فتادی میں سہولت ہوتی ہے اس لیے یہ کتاب ''فتاوی شامی'' کے نام سے معروف ہے۔

اس وقت فقہ حنفی میں سب سے مقبول اور مستند مجموعہ ہے جس میں متقدمین ومتاخرین کے اقوال کا نچوڑ آ گیا ہے۔ ساتھ ہی راجح اور مفتی بہ قول کو بھی ذکر کرتے ہیں اور اس میں بھی اپنی رائے پر اعتماد کے بجائے متاخرین اصحاب فتوی پر اعتماد کرتے ہیں۔ شامی کے مختلف نسخے پائے جاتے ہیں، زکریا بکڈپو سے شائع نسخہ پر تقریرات رافعی کا لاحقہ لگا دیا گیا ہے، اس نسخے کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور تصحیح کرنے کی سعادت اس حقیر کو بھی حاصل ہوئی ہے۔ زکریا بک ڈپو سے شائع شدہ فتاوی شامی کا نسخہ اس راقم کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک نسخہ فرفور کا چوبیس جلدوں میں شائع ہو گیا ہے جو اس وقت کے نسخوں میں سب سے اہم ہے اس نسخے میں تصحیح کا اہتمام بہت زیادہ ہے، مزید جن کتابوں کے حوالے شامی نے دیے ہیں ان تمام کی تخریج کر دی گئی ہے، شامی جو کما مر یا کما سیاتی کہتے ہیں محقق محترم اس کی نشان دہی بھی کرتے ہیں۔

عرف و عادت کی رعایت

نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے عرف و عادت کو مدنظر رکھنا ہو گا، بہت ساری چیزیں عرف و عادت پر مبنی ہوتی ہیں، بہت سارے مسائل ایسے ہیں جن کا پہلے عرف الگ تھا اور آج کا وہ عرف نہیں ہے، فتوی دیتے وقت ضروری ہے کہ ہم اپنے علاقے کا عرف دیکھیں، ہمیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ درمختار میں یہ لکھا ہے ہم یہ فتوی کیسے دے سکتے ہیں؟ اس لیے کہ کوئی مسئلہ اگر اس میں لکھا ہے تو وہ یا تو نص کی بنیاد پر لکھا ہے یا عرف اور عادت کے اعتبار سے لکھا ہے، اب جب وہ عرف ہمارا نہیں ہے تو وہ فتوی موجودہ عرف میں دینا درست نہیں ہے۔ طلاق کے مسائل میں آپ دیکھیں گے تو پرانے زمانے میں لوگ الگ طریقے سے طلاق دیتے تھے اور آج الگ طریقے سے طلاق دیتے ہیں، پہلے پہاڑ کے برابر طلاق، اور

گھر بھر کر طلاق دیا جاتا تھا آج تو گھر بھر کر طلاق نہیں دے رہا ہے ہاں پیٹ بھر کر طلاق دے رہا ہے، تو آج الفاظ بدل گئے ہیں تو ہمیں موجودہ الفاظ کی بنیاد پر یہ دیکھنا ہوگا کہ آج کا ہمارا عرف کیا ہے۔کوئی لفظ کسی علاقے میں طلاق کے لیے کنائی ہوتا ہے اور وہی لفظ دوسرے علاقے میں صریح ہوتا ہے، اس لیے اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔علامہ شامی لکھتے ہیں:

فهذا كله و امثاله دلائل و اضحة على ان المفتى ليس له الجمود على المنقول فى كتب ظاهر الرواية من غير مراعاة الزمان و أهله والا يضيع حقوقا كثيرة و يكون ضرره اعظم من نفعه (۱)

یہ سب اوراس کے ہم مثل واضح دلائل ہیں اس بات پر کہ مفتی کے لیے زمان و مکان کی رعایت کے بغیر کتب ظاہر الروایت میں منقول مسائل پر جمود نہیں ہونا چاہیے ورنہ تو بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں گے اور نقصان نفع سے زیادہ ہوگا۔

عرف کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کی مثالیں

فقہی ذخیرے میں ہمیں بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں عرف کے بدلنے پر حکم کی تبدیلی کا فتوی دیا گیا ہے، چناں چہ فقہ حنفی کے مطابق حکم یہ ہے کہ اگر عورت مہر معجّل پر قبضہ کرلے تو شوہر کے ساتھ رہنا ضروری ہے، شوہر جہاں لے جانا چاہے لے جاسکتا ہے لیکن متاخرین نے دیکھا کہ اب عرف بدل گیا ہے لوگوں کی اخلاقی حالت بگڑ گئی ہے ظلم وستم عام ہو گیا ہے بعض مرتبہ شوہر عورت کو ایسی جگہ لے کر چلا جاتا ہے جہاں عورت کا کوئی نہیں ہوتا اور عورت پر ظلم کرتا ہے تو کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اب یہ فتوی دیا جاتا ہے کہ شوہر اگر چہ عورت کو پورا مہر دے چکا ہو

(۱) محمد امین ابن عابدین، نشر العرف، رسائل ابن عابدین، ۱۳۱/۲۔

لیکن ہر جگہ لے جانے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے الا یہ کہ وہ جگہ خود عورت کا وطن ہو۔(۱)

درمختار میں ایک مسئلہ لکھا ہے اگر کسی نے طلاق کو کسی کی زیارت پر معلق کیا تو اس عرف میں زیارت کا جو طریقہ ہوگا اس سے طلاق واقع ہوگی؛ چناں انہوں نے لکھا ہے کہ: ان زيارة المرآة فى عرفنا لا تكون الا بطعام معها يطبخ عند المزور فليحفظ.(۲)

یعنی دمشق کے عرف میں زیارت کا مفہوم یہ تھا کہ ساتھ میں کھانا پکایا جائے اور کھایا جائے اس کے بغیر زیارت کا مفہوم ادا نہیں ہوگا۔ علامہ شامی اس کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں:

قلت: هذا العرف في دمشق الآن غير مطرد بل كان وبان، نعم بقي بين أطراف الناس وقال ط: قلت العرف الجاري في مصر الآن أنها تعد زائرة ولو معها شيء غير ما يطبخ(۱)

میں کہتا ہوں کہ عرف اب دمشق میں عام نہیں ہے؛ بلکہ یہ کبھی تھا، ہاں بعض علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ طحطاوی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں مصر میں آج کا عرف یہ ہے کہ اس کو زیارت کرنے والا شمار کیا جاتا ہے اگر چہ اس کے ساتھ بغیر پکائی ہوئی چیز ہی کیوں نہ ہو۔

جب کہ ہمارے یہاں عرف میں زیارت کا مطلب صرف دیدار اور ملاقات ہے ساتھ میں بیٹھنا یا کھانا یا پکانا نہیں ہے، اس لیے اگر آج کوئی ہمارے معاشرے میں کسی کی زیارت پر طلاق کو معلق کرے تو صرف دیدار اور ملاقات سے ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔

عرف کی بحث فقہ وفتاوی کے لیے ناگزیر بحث ہے ایک طرف تو عرف کے بدلنے سے مسئلہ بدل جاتا ہے، دوسری طرف اس کے لیے حدود وقیود اور شرائط کا لحاظ

(۱) محمد امین ابن عابدین، شرح عقود رسم المفتی، ۱۷۷۔ (۲) محمد امین ابن عابدین ردالمحتار، ۳/ ۳۴۵۔

(۳) محمد امین ابن عابدین، ردالمحتار، ۳/ ۳۴۶۔

بھی ضروری ہوتا ہے۔ظاہر ہے کہ عرف کے بدلنے سے حکم کا بدلنا مطلق نہیں ہے آج پانچ ستارہ ہوٹلوں میں شراب کا عرف ہوگیا اس کی وجہ سے شراب کے حکم میں کوئی تخفیف نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ منصوص مسائل میں عرف کا لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔علامہ شامی عرف کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ اس نے کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں فتاوی نویسی کی مشق کی ہو ؛اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ محض مسائل ودلائل کا حفظ کرلینا فتوی دینے کے لیے کافی نہیں ہے حتی کہ اگر کوئی شخص بالفرض احناف کی ساری کتابوں کو حفظ کرلے تب بھی فتوی نویسی کے لیے کسی ماہر استاذ کی نگرانی میں اس کو مشق کرنی ہوگی؛ اس لیے کہ بہت سے مسائل ایسے پیش آتے ہیں جن کا جواب کتابوں میں نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو اس کی بنیاد عرف و عادت پر ہوتی ہے لہذا ان جیسے مسائل میں لوگوں کے احوال وعادات کے مطابق ہی جواب دیا جائے گا بشرط کہ وہ عرف نص کے خلاف نہ ہو۔

مفتی کے لیے عرف وعادت کے مطابق فتوی دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو نیز اس بات سے بھی واقف ہو کہ موجودہ عرف عام ہے یا خاص، نصوص شرعیہ کے موافق ہے یا مخالف۔(۱)

جدید مسائل کے حل میں علماء عرب کی تحقیقات سے استفادہ

اگر کوئی نیا مسئلہ آتا ہے تو عرب علماء کی تحقیق سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے، وہاں آپ کو دیگر مذاہب فقہیہ کی عبارتیں اور ان کی بنیادی کتابیں مل جائیں گی، عرب علماء عام طور پر مذاہب اربعہ سے استفادہ کرتے ہیں اور تمام فقہی کتابوں کی عبارت پیش کرتے ہیں، ان کی تحقیق اور وہ جو عبارتیں اس میں پیش کرتے

(۱) محمد امین ابن عابدین شامی، نشر العرف، رسائل ابن عابدین ۱۲۹/۲۔

ہیں جو حوالہ جات پیش کرتے ہیں آپ اس کو مدنظر رکھیں گے تو آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔عموما ایسا ہوتا ہے کہ نئے مسائل پر ہم سے پہلے علماء عرب تحقیق کر چکے ہوتے ہیں ایسی صورت میں ان کی تحقیق سے صورت مسئلہ کو سمجھنے اور حکم شرعی کو معلوم کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے، ہندوستان میں جب ٹیسٹ ٹیوب بے بی پر سیمینار ہوا تو قریب بیس سال پہلے عرب میں اس موضوع پر سیمینار ہو چکا تھا اس کے مقالات شائع ہو چکے تھے، اسلامک فقہ اکیڈمی نے سد ذریعہ کے عنوان پر ۲۰۲۱ میں سیمینار کیا ہے جب کہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے ۱۹۹۵ میں یہ سیمینار کیا تھا، ظاہر ہے کہ موضوع کی تحقیق کے وقت ان کی تحقیقات سے استفادہ کرنے میں موضوع کو سمجھنے اور اس کے مآخذ تک پہونچنے میں سہولت ہوگی۔اس سلسلے میں عرب ملکوں کے مجامع فقہیہ کی تجاویز اور ان کے مقالات سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔مکتبہ شاملہ میں ''مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی'' کی تیرہ جلدیں موجود ہیں، اس میں بہت سے نئے موضوعات پر مقالات ہیں جن سے جدید مسائل کے اسلوب اور حل کے طریقہ کار پر روشنی پڑتی ہے، نیز بہت سے نئے مسائل اور ان کی حقیقی اور واقعی صورت حال کا بھی علم ہوتا ہے ان مقالات کا مطالعہ فقہ وفتاوی کے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

اجتماعی کوششیں

جدید مسائل کے حل میں باہمی مشاورت انتہائی اہم ہے، انفرادی رائے کے مقابلے میں اجتماعی آرا میں غلطی کا امکان کم رہتا ہے، کوئی نیا مسئلہ آپ کے سامنے پیش آ گیا تو آپ اتنے بڑے محقق مت بن جایئے کہ میں ہی لکھ سکتا ہوں، میں ہی جواب دے سکتا ہوں بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس میں دیگر اہل علم اور ارباب افتا سے مشاورت کی جائے، بسا اوقات مسئلے کا ایک پہلو آپ کے ذہن میں ہوتا ہے لیکن اس مسئلے کے دیگر پہلو بھی ہو سکتے ہیں جو آپ کے سامنے نہیں ہوتے ہیں لیکن آپ جب مشاورت کرتے

ہیں تو اس کے دیگر پہلو بھی آپ کے سامنے آتے ہیں اور حکم شرعی معلوم کرنا آسان ہوتا ہے، مشاورت کا حکم آپ ﷺ نے دیا ہے حدیث میں آتا ہے:

وعن علي قال: قلت: يا رسول الله، إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي، فما تأمرني؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين، ولا تمضوا فيه رأي خاصة۔(۱)

حضرت علی فرماتے ہیں: یارسول اللہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے اور آپ کی طرف سے کوئی امر یا نہی نہ ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: فقہا اور عابدین سے مشورہ کرو اور کسی ایک آدمی کی رائے کو نافذ نہ کرو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اجتماعی آراء

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا معمول یہ تھا کہ اگر کوئی مسئلہ پیش آتا اور وہ مسئلہ نیا ہوتا، صراحتا قرآن وحدیث میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرات صحابہ کو جمع کرتے اور پوچھتے تھے یہ مسئلہ پیش آیا کیا کرنا چاہیے؟ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ اول اور حضور پاک ﷺ کے سب سے زیادہ صحبت یافتہ ہیں سب سے زیادہ آپ نے حضور ﷺ کا فیض پایا ہے، آپ ﷺ نے امامت انہی کو دی تھی، اگر وہ چاہتے تو کچھ بھی فتوی دے سکتے تھے، خود ہی فیصلہ کر سکتے تھے جو کہ شریعت کے عین موافق ہوتا، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کبھی نہیں کیا؛ بلکہ انفرادی رائے پر اجتماعی رائے کو ترجیح دی۔(۲)

مانعین زکات سے جہاد کرنا، رسول اللہ ﷺ کی متروکات میں میراث کا جاری نہ ہونا اور قرآن کریم کی جمع وترتیب وغیرہ مسائل حضرت ابوبکر کی اجتماعی

(۱) نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفرائد، (دار المامون للتراث) ۱/۱۷۸، حدیث نمبر: ۸۳۳۔

(۲) عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی، سنن دارمی، باب الفتیا وما فیہا من الشدۃ، ۱/۵۳۔

کوششوں سے حل ہوئے تھے۔ السنن الکبری میں میمون بن مہران کے حوالے سے منقول ہے:

حضرت ابوبکر کے پاس جب بھی کوئی مقدمہ آتا اور کتاب وسنت میں اس کا حل ملتا تو اسی کے ذریعہ فیصلہ فرماتے اور اگر قرآن وسنت میں مسئلہ کا حل نہ ہوتا تو صحابہ کے پاس آتے اور صحابہ سے پوچھتے کہ میرے پاس ایسا مقدمہ آیا ہے کیا تم میں سے کسی نے حضور ﷺ سے اس طرح کے مقدمہ میں کوئی فیصلہ سنا ہے؟ بعض صحابہ حضور ﷺ کا عمل بیان کرتے تو حضرت ابوبکر اس پر عمل کرتے اور اللہ تعالی کی تعریف کرتے کہ ہمارے درمیان ایسے لوگ ہیں جو اپنے نبی کے علم کے محافظ ہیں، لیکن اگر حدیث سے بھی کوئی حل نہ ملتا تو کبار صحابہ اور فقہاء صحابہ کو جمع کرتے، ان سے مشورہ کرتے اور جب وہ لوگ کسی امر پر متفق ہو جاتے تو اسی کا فیصلہ فرما دیتے۔(۱)

حضرت عمر فاروق رض اور اجتماعی آراء

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے علم کا حال یہ تھا کہ مسروق کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کے علم کو جانچا پرکھا تو معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا علم چھ لوگوں میں سمٹ کر رہ گیا ہے ان میں ایک نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔(۲)

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرات صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے کہ ہمیں اس مسئلے میں کیا کرنا چاہیے؛ چناں چہ شراب نوشی کی سزا کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کوئی شخص شراب پیتا ہے تو نشہ میں مبتلا ہوتا ہے پھر نشہ کی حالت میں ہذیان گوئی شروع کرتا ہے اور اس میں لوگوں پر بہتان تراشی بھی کر گزرتا ہے، اس لیے جو سزا تہمت کی ہے یعنی اسی کوڑے وہی سزا شراب نوشی کی بھی ہونی چاہیے چناں چہ اسی پر فیصلہ ہوا۔

(۱) احمد بن حسین ابوبکر البیہقی، السنن الکبری، ۱۰، ۱۱۴، حدیث نمبر: ۲۰۳۴۱۔

(۲) شمس الدین الذہبی، سیر اعلام النبلاء (القاہرہ: دار الحدیث) ۲۰۰۶ء، ۹/ ۹۴۔

والأصل في حد الشرب ما روي: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتي بشارب خمر، وعنده أربعون رجلاً، فأمرهم أن يضربوه ، فضربوه، كل رجل منهم بنعليه، فلما كان زمان عمر رضي الله عنه جعل ذلك ثمانين سوطاً، والخبر، وإن كان من أخبار الآحاد، فهو مشهور، وقد تأكد باتفاق الصحابة رضي الله عنهم إنما العمل به في زمن عمر رضي الله عنه، فإنه جعل حد الشرب ثمانين سوطاً من هذا الحديث؛ لأنه لما ضربه كل رجل منهم بنعليه كان الكل في معنى ثمانين جلدةً، والإجماع حجة موجبة للعلم، فيجوز إثبات الحد به."(۱)

حسن بصری، اور ابی حصین کا قول:

إن أحدهم ليفتي في المسألة، ولو وردت على عمر بن الخطاب رضي الله عنه لجمع لها أهل بدر(۲)

تم میں سے ہر کوئی فتوی دے دیتا ہے اگر کوئی مسئلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوتا تو اس پر اہل بدر کو جمع کرتے تھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے یہاں اجتماعی اجتہاد

حضرت امام ابوحنیفہؒ فقہ حنفی کے بانی ہیں، جو حضرات امام صاحب کے ساتھ فقہ کی تدوین میں شریک تھے، آپ سب کے استاذ ہیں لیکن پھر بھی سب سے مشورہ کیا کرتے تھے اور سب کی رائے لیا کرتے تھے اور ایک ایک مسئلہ پر بحث چلتی رہتی تھی۔ امام صاحب کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی ایک ایک مسئلے پر ایک

(۱) محمد بن احمد شمس الائمۃ السرخسی، المبسوط، (بیروت: دار المعرفۃ) ۲۷/ ۱۸۴۔

(۲) احمد بن حسین ابوبکر البیہقی، المدخل الی السنن الکبری للبیہقی (الکویت: دار الخلفاء للکتاب الاسلامی) ۱/ ۴۳۴ حدیث نمبر: ۸۰۳۔

ایک مہینے گفتگو چلتی تھی تمام اراکین کو کھل کر بحث کرنے کی آزادی ہوتی تھی، اور تمام آرا کا احترام بھی کیا جاتا تھا اور اگر کسی مسئلے میں اتفاق ہو جاتا تو اس کو لکھ لیا جاتا اور اگر اختلاف ہوتا ہے تو مزید اس پر بحث و گفتگو جاری رہتی، اگر آخر تک اختلاف باقی رہتا تو اختلاف کے ساتھ ہی امام ابو یوسف رجسٹر میں درج کر دیتے۔ موفق احمد مکی نے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے اجتماعی اجتہاد پر روشنی پڑتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

جن مسائل میں نصوص موجود نہیں تھے اور قیاس کی بھی بظاہر گنجائش نہیں تھی وہاں امام صاحب تجربے اور عرف کی بنا پر فیصلے کیا کرتے تھے؛ چناں چہ مجلس تدوین میں ایک دن یہ سوال آیا کہ بلوغ کی عمر کیا ہے؟ اس دن مجلس فقہ میں تیس شاگرد تھے، امام صاحب نے سب سے پوچھا کہ کب بالغ ہوئے؟ اکثر نے اٹھارہواں سال بتایا اور چند نے انیس اس پر انہوں نے اکثریت کے تجربے پر اٹھارہ سال مقرر فرمائی۔ (۱)

پہلے زمانے میں اجتماعی اجتہاد کی شکلیں مشکل ہوا کرتی تھیں، لیکن آج اجتماعی آراء کی مختلف شکلیں آسان ہوگئی ہیں، ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں کے دارالافتاء سے رائے طلب کی جاسکتی ہے، فون پر بات کر سکتے ہیں مشورہ کر سکتے ہیں اور اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔ آج اجتماعی آراء کے حصول کے لیے بہت سے ممالک میں فقہی اکیڈمیاں اور مجامع فقہیہ قائم ہیں، ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، جمعیۃ العلماء کا ادارہ مباحث فقہیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ کی مجلس تحقیقات شرعیہ، اسی طرح یورپ میں یورپین افتا کونسل، سعودی عرب میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ، مصر میں، مجمع البحوث الاسلامیہ الازہر، ان اداروں کا بنیادی مقصد نئے مسائل میں اجتماعی آراء کے ذریعہ مسائل کو حل کرنا ہے اور اس کا فائدہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی نیا مسئلہ پیش آتا ہے اور اس پر کسی پہلو پر شرح صدر نہیں ہوتا لیکن جب ان اکیڈمیوں میں وہ سوالات زیر بحث ہوتے ہیں اور طرح طرح سے ان کے گوشے نکل

(۱) موفق الدین بن احمد، مناقب ابی حنیفہ للموفق (بیروت: دار الکتب العلمیۃ)، ۱/ ۷۵۔

کر سامنے آتے ہیں تو مسئلہ کے کسی ایک پہلو پر شرح صدر ہو جاتا ہے، خاص کر اگر بحث و تحقیق کے بعد کسی ایک رائے پر اتفاق ہو جائے تو فتوی دینا آسان ہو جاتا ہے۔

فقہی قواعد پر نظر

فقہی قواعد پر بھی ہماری نظر ہونی چاہیے، بعض فقہی قواعد تو نص سے ہی ماخوذ ہیں، قاعدہ لا ثواب الا بالنیة حدیث انما الاعمال بالنیات سے ماخوذ ہے۔ اور بعض فقہی قواعد بہت سارے جزیات کا احصاء کرنے کے بعد بنائے گئے ہیں، ایک قاعدہ کلیہ آپ کے بہت سارے مسائل کو حل کرتا ہے، آپ قواعد فقہ کو پڑھتے ہیں یہ آپ کو زبانی یاد ہونی چاہیے آپ کے دماغ میں ہمیشہ محفوظ رہنا چاہیے۔ قواعد آپ کے بہت سارے مسائل کو حل کرتے ہیں۔ فقہی قواعد سے جہاں ائمہ متبوعین کا منہج اور استنباطِ مسائل کا طریقہ کار معلوم ہوتا ہے، وہیں اس فن سے اسلامی قوانین اور احکام فرعیہ کے صحیح طور پر سمجھنے کا ذوق اور ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ قواعد فقہیہ اور اصول و نظائر سے ماہر فن مفتی مسائل کا آسانی سے استخراج کرلیتا ہے، آج نئے مسائل کے حل میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں، قواعد کے ذریعہ ان کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔ فقہی قواعد کی بنا پر فتوی دینا تو مناسب نہیں ہے؛ لیکن فقہی قواعد سے صورت مسئلہ سمجھنا اور پھر اس کا شرعی حکم معلوم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ چند ملاحظات و گزارشات ہیں ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جو جدید مسائل کے حل اور فتوی لکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ تمام باتوں کا نہ تو احصا مقصود ہے اور نہ ہی ممکن ہے صرف چند ضروری باتوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ اللہ تعالی ہمیں علم نافع عطا فرمائے، اور فقہ و فتاوی سے مناسبت تامہ پیدا فرمائے۔

***

مؤلف ایک نظر میں

نام: امانت علی بن الحاج محمد صداقت بن ادریس بن حاجی محمد اکبر

تاریخ پیدائش: ۹/ ۱۲/ ۱۴۰۵ھ-۳۱/ ۵/ ۱۹۸۵ء

آبائی وطن: اسلام پور، ناظر مومن لین، چمپانگر، بھاگلپور (بہار) ۸۱۲۰۰۴

ابتدائی تعلیم: مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر، بھاگل پور، بہار

مدرسہ اسلامیہ رشیدیہ اسلام پور، چمپانگر۔

ثانوی تعلیم: مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی، جون پور، یوپی (اول تا پنجم ۱۹۹۸-۲۰۰۳)

ہفتم ودورہ حدیث: دارالعلوم دیوبند (فضیلت (۲۰۰۵)

تکمیل افتاء: دارالعلوم دیوبند ۲۰۰۶ء

مطالعہ کتب فتاوی: دارالعلوم دیوبند (فتاوی شامی کا بالاستیعاب مطالعہ) ۲۰۰۷و۲۰۰۸ء

ایم اے: اسلامک اسٹڈیز (۲۰۱۲ء-۲۰۱۳ء) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد۔

ایم فل: اسلامک اسٹڈیز (۲۰۱۵-۲۰۱۷ء) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد۔

پی ایچ ڈی: اسلامک اسٹڈیز (۲۰۲۰-۲۰۲۵ء) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد۔

تدریس: ۲۰۰۹ء-۲۰۱۰ء جامعۃ القرآن والسنۃ والخیریۃ بجنور، یوپی ۲۰۱۱ء تا ۲۰۱۸ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد۔ ۲۰۱۹ء تا حال دارالعلوم وقف دیوبند، ان تینوں اداروں میں درج ذیل کتب کی تدریس کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، طحاوی شریف، مشکوۃ شریف، تفسیر رازی، تفسیر ابن کثیر، صیغۃ مقترحۃ لقانون البیع الاسلامی، ترجمہ قرآن، جلالین، ہدایہ اول، ثانی وثالث، درمختار، الاشباہ والنظائر، قواعد الفقہ، سراجی، شرح عقائد، نور الانوار، شرح قطر الندیٰ، قدوری، علم الصیغۃ، مفتاح العربیۃ، القرأۃ الراشدۃ، نفحۃ العرب وغیرہ۔

مناصب وذمہ داری: (۱) استاذ ومفتی دارالعلوم وقف دیوبند (۲) جنرل سکریٹری تعلیمی وملی بورڈ

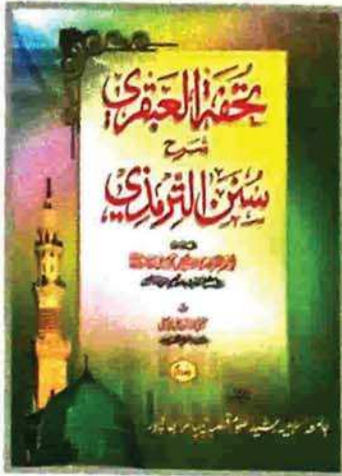
بھاگل پور، بہار(۳)رکن ارباب حل وعقد امارت شرعیہ پٹنہ(۴)سابق خطیب مسجد کوچۂ خطیب حیدرآباد(۵)مدیر سہ ماہی صبح نو بھاگل پور۔

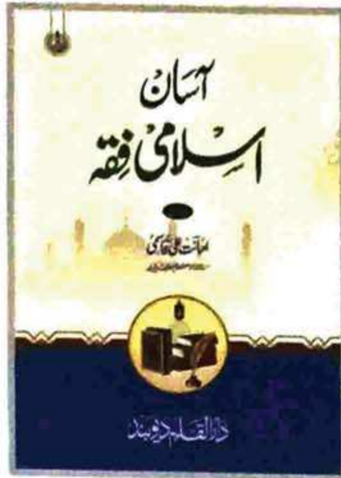
تصنیفات:(۱)فتاوی شامی کا دراسہ وتحقیق وتصحیح مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند(۲) تحفۃ العمری شرح سنن الترمذی(افادات حضرت مولانا اکرام علی صاحب)(دوجلدیں) (۳)امام ابوحنیفہ سوانح وافکار(۴) تذکرہ علماء، مساجد ومدارس چمپانگر(مشترکہ تالیف) (۵)ایمان کیا ہے؟(۶) شیخ یوسف القرضاوی اورفقہ الاقلیات(۷) آسان اسلامی فقہ (حصہ اول)(۸) آسان اسلامی عقائد حصہ اول(۹) حفظ الحدیث دو حصے(۱۰) کرونا وائرس: اسلامی ہدایات اورجدید مسائل(۱۱) آسان دینیات حصہ اول(۱۲) جدید مسائل میں فتاوی نویسی کا منہج (۱۳)تسہیل مقدمہ شیخ عبدالحق(۱۴) رمضان کے ضروری اعمال(۱۵) آسان علم النحو دو حصے مع ورک بک

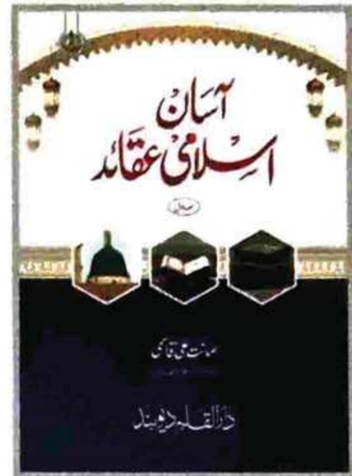
مقالات و مضامین: سو سے زائد مضامین ملک کے درج ذیل موقر اخبار ورسائل میں چھپ چکے ہیں (رسائل) سہ ماہی مطالعات دہلی، ماہنامہ الفاروق پاکستان، ترجمان دارالعلوم دہلی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ندائے دار العلوم وقف دیوبند، ضیائے علم حیدرآباد، ماہنامہ ریاض الجنہ جونپور، راہِ اعتدال عمرآباد، افکار ملی دہلی، سہ ماہی صبح نو (اخبارات) روزنامہ انقلاب، روزنامہ سیاست حیدرآباد، منصف حیدرآباد، سہارا اردو، صحافی دکن حیدرآباد، جہان اردو(آن لائن)اسٹار نیوز پروٹول(آن لائن)

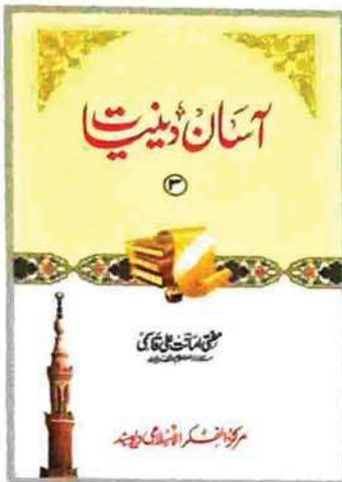
سیمینار: ہندوستان بھر میں تیس سے زائد فقہی، علمی، فکری سیمینار میں شرکت۔

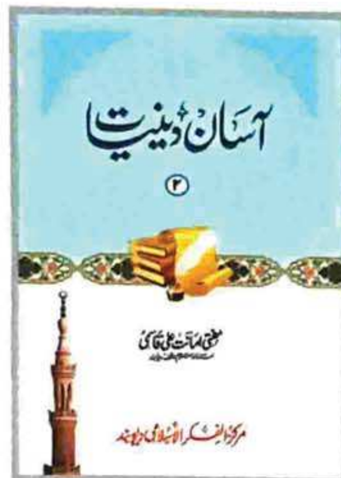
* **

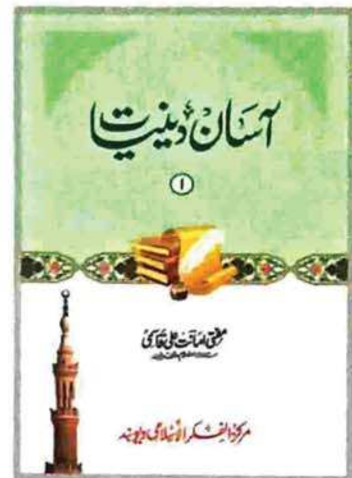


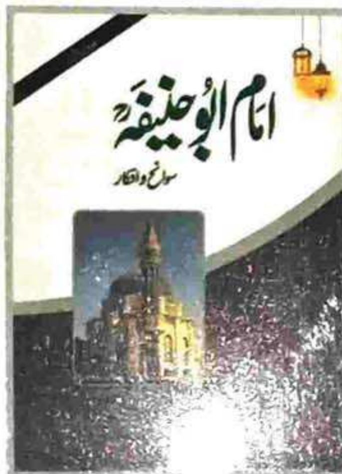


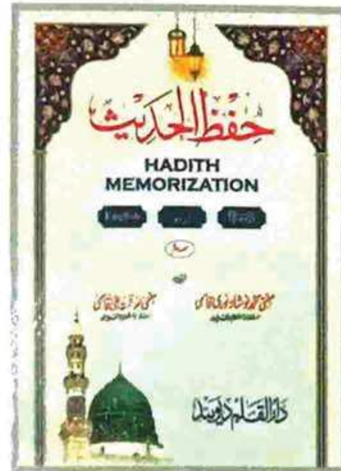


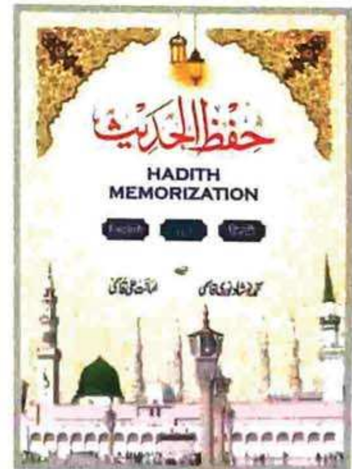












Noor Graphics

Markaz Al-Fikr Al-Islami
247554, U.P. INDIA
+91 7207326738

100/-